قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

مئی ۱۹۹۷ء

ماہنامہ

المرشد

لاہور

تصوف کیا نہیں؟

تصوف کے لیے نہ کشف و کرامات شرط ہے نہ دنیا کے کاروبار میں ترقی دلانے کا نام تصوف ہے، نہ تعویذ گنڈوں کا نام ہے، نہ جھاڑ پھونک سے بیماری دور کرنے کا نام تصوف ہے، نہ مقدمات جیتنے کا نام تصوف ہے، نہ قبروں پر سجدہ کرنے، ان پر چادریں چڑھانے اور چراغ جلانے کا نام تصوف ہے اور نہ آنے والے واقعات کی خبر دینے کا نام تصوف ہے، نہ اولیاء اللہ کو غیبی ندا کرنا، مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا تصوف ہے، نہ اس میں ٹھیکیداری ہے کہ پیر کی ایک توجہ سے مرید کی پوری اصلاح ہو جائے گی اور سلوک کی دولت بغیر مجاہدہ اور بدون اتباع سنت حاصل ہو جائے گی۔ نہ اس میں کشف و الہام کا صحیح اترنا لازمی ہے اور نہ وجد و تواجد اور رقص و سرود کا نام تصوف ہے۔ یہ سب چیزیں تصوف کا لازمہ بلکہ عین تصوف سمجھی جاتی ہیں حالانکہ ان میں سے کسی ایک چیز پر تصوف اسلامی کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ ساری خرافات اسلامی تصوف کی عین ضد ہیں۔ (دلائل السلوک)

اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

ماہنامہ

المرشد

لاہور

سی۔ پی۔ ایل۔ نمبر ۳

جلد ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ بمطابق ستمبر ۱۹۹۷ء شمارہ ۲

مدیر:- تاج رحیم ★ سرکولیشن مینجر:- رانا جاوید احمد

اس شمارے میں

		صفحہ نمبر
اداریہ۔ تزکیہ	ایڈیٹر	۳
قلب کی موت	مولانا محمد اکرم اعوان	۴
شرک	مولانا محمد اکرم اعوان	۱۰
آوازِ حق	غلام مصطفیٰ ملک	۱۸
برکات اہل اللہ	مولانا محمد اکرم اعوان	۲۲
سکون	مولانا محمد اکرم اعوان	۲۷
عالم اسلام اور احیائے اسلام	ڈاکٹر لیاقت نیازی	۳۳
بدعات اور حضرت ﷺ	مولانا محمد اکرم اعوان	۳۷
جہاد کشمیر	مولانا محمد اکرم اعوان	۴۳
صلہ عبادت	مولانا محمد اکرم اعوان	۴۵

ناشر:- پروفیسر حافظ عبدالرزاق

انتخاب جدید پریس لاہور
فون:- ۶۳۱۴۳۶۵

پتہ:- ماہنامہ المرشد۔ اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور: ۵۱۸۰۳۶۷

ماہنامہ **المرشد** کے

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ
مجددِ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

مشیر اعلیٰ

نشرواشاعت: پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے (عربی) ایم اے (اسلامیات)

ناظر اعلیٰ: کرنل (ریٹائرڈ) مطلوب حسین

مدیر: تاج رحیم

بدل اشتراک

فی پرچہ ۱۵ روپے

	سالانہ	تاحیات
پاکستان	۱۶۵ روپے	۲۵۰۰ روپے
غیر ملکی		
سری لنکا بھارت بنگلہ دیش	۴۰۰ روپے	۴۰۰۰ روپے
مشرق وسطی کے ممالک	۹۰ سعودی ریال	۷۰۰ سعودی ریال
برطانیہ اور یورپ	۲۵ سٹرلنگ پونڈ	۱۳۰ سٹرلنگ پونڈ
امریکہ	۱۴۵ امریکن ڈالر	۱۳۰۰ امریکن ڈالر
کینیڈا	۱۵۰ امریکن ڈالر	۱۳۵۰ امریکن ڈالر

تزکیہ

اللہ کریمؑ نے نبی اکرم کے فرائض میں تزکیے کو جو اہمیت دی ہے۔ آج ہم نے نہ صرف اسے فراموش کر دیا ہے بلکہ انکار تک پر اتر آئے ہیں۔ سورہ بقرہ کی آیت ۱۲۹' العمران کی آیت ۱۶۴ اور الجمعہ کی آیت ۲ میں یہ فرض نبیؐ کو تفویض کرتے ہوئے علم اور حکمت (WISDOM) کو اس کے ساتھ مشروط کر دیا ہے کہ تزکیہ ہو گیا تو علم KNOWLEDGE نصیب ہو گا' تزکیہ ہو گا تو حکمت (WISDOM) کی نعمت بھی نصیب ہو گی۔ لیکن جب ہم پہلی شرط سے انکار کر رہے ہیں۔ بیج بونے سے جان چھڑاتے ہیں تو فصل کہاں سے پیدا ہو گی۔ درخت کیسے اگ سکتا ہے اور پھر پھل کی امید کرنا کہاں کی عقلمندی ہو گی۔

تزکیہ اور تصوف ہم معنی اصطلاحیں ہیں۔ جب اسلام خطہ عرب سے پھیل کر ایران اور وسط ایشیاء پہنچا تو اہل علم نے تزکیے کے لئے تصوف کی اصطلاح استعمال کی اور جب ایران اور وسط ایشیاء سے اولیائے کرام ہندوستان تشریف لائے تو تصوف کی اصطلاح نے یہاں بھی رواج پایا۔ اولیائے کرام ہی نے نبی اکرمؐ کی اس وراثت کو سنبھالا اور خلق خدا کا تزکیہ کرنے کو اپنا فرض بنایا۔ جب تک یہ عمل خلوص کے ساتھ اولیائے کرام کے ذریعے جاری رہا اور فیض حاصل کرنے والے اپنے آپ کو تزکیے کے لئے صوفیائے کرام کے پاس پیش کرتے رہے اسلام پھیلتا گیا اور مسلمانوں کو اس کرہ ارض پر عروج نصیب رہا۔ لیکن جس دن سے ہم نے اس نعمت سے منہ موڑنا شروع کیا اور تزکیے کی ضرورت اور افادیت سے منکر ہوئے۔ تزکیے کو تقریروں اور تحریروں میں لفاظی تک محدود کر دیا۔ خانقاہی نظام میں گدی نشینوں اور کاروباری پیروں کا قبضہ جم گیا اور غیر اسلامی رسومات کو تصوف میں داخل کر دیا۔ علماء نے صوفیاء سے فیض حاصل کرنا چھوڑ دیا تو علم کی برکات اور حکمت کی نعمت سے سب ہی محروم ہو گئے اور زوال کے سائے امت پر چھانے لگے۔ علماء کی تقریریں اور تحریریں بے اثر ہو گئیں' قوم کا اعتماد علماء پر سے اٹھ گیا۔ آج اولیائے کرام سے اس فیض کو حاصل کرنے کی جس قدر ضرورت ہے۔ اس کی اہمیت سے انکار ہم جیسی بدقسمت قوم ہی کر سکتی ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت ۱۷۴ اور العمران کی آیت ۷۷ میں اللہ نے تنبیہہ فرمادی ہے کہ روز قیامت تزکیے کا عمل بند ہو گا۔ جو اس دنیا میں اس نعمت سے محروم رہے ان کے لئے وہاں تزکیہ نہیں ہو گا بلکہ شدید عذاب ان کا منتظر ہو گا۔ تصوف کا انکار' تزکیے کا انکار کسی کو زبان کا چسکہ تو دے سکتا ہے۔ لیکن انجام دنیا میں بھی انفرادی اور اجتماعی ذلت ہے اور آخرت میں عذاب۔

اس لئے اے علمائے کرام! دانشورو! سیاستدانو! اور اہل علم حضرات! آپ کی تقریروں اور تحریروں میں تاثیر تب ہی پیدا ہو گی جب آپ تزکیے کے عمل سے گزریں گے۔ قوم کا اعتماد آپ پر صرف اسی صورت میں بحال ہو سکتا ہے۔ جب آپ تزکیے کے عمل سے گزر کر علم اور حکمت کی نعمت سے مالا مال ہوں گے اور تزکیہ کا فیض صرف صوفیاء اور اولیاء کے پاس سے نصیب ہوتا ہے۔ اپنی آنکھوں سے غرور' تکبر اور بڑھائی کا حجاب ہٹا کر دیکھئے تو سہی۔

تاج رحیم

قلب کی موت

مولانا محمد اکرم اعوان

اللہ کریم نے اپنی عظمت اور اس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپؐ کی دعوت کی اثر پذیری کا ذکر فرمایا ہے اور پھر ایک وجہ ارشاد فرما دی ہے جس کے باعث بعض لوگ اسے قبول نہیں کرتے اس سے مستفید نہیں ہو سکتے اور ان کی نگاہوں میں ٹیڑھا پن آ جاتا ہے ذہنوں میں کجی آ جاتی ہے اور جو تصویر ان کا اپنا دماغ ان کے سامنے بناتا ہے وہ حقائق کے بالکل برعکس ہوتی ہے فرمایا اللہ کی عظمت اس قدر مانی ہوئی بات ہے کہ ارض و سما کی ہر چیز کو اپنی بقا اور اپنے وجود کی بقا کے لئے اللہ کی عظمت کا اقرار کرنا پڑتا ہے ہر وجود کی یہ ضرورت ہے کہ وہ اللہ کو یاد کرے اور اللہ کا ذکر کرے۔

تسبح لہ السموات السبع والارض ساتوں آسمان اس کی تسبیح کرتے ہیں **و من فیھن** اور جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں موجود ہے پانی ہے، ہوا ہے، بادل ہے، پتھر ہے یا دریا ہے کوئی حیوان یا غیر ذی الارواح میں سے ہے جمادات ہے یا نباتات کوئی بھی آسمانوں میں فرشتے ہیں **ملائکہ** ہیں جو شے بھی ہے کوئی شے بھی ایسی نہیں ہے جو اللہ کی تسبیح بیان نہ کرتی ہو اللہ کا ذکر نہ کرتی ہو اللہ کی عظمت کا اقرار نہ کرتی ہو۔

اور اس بات سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ انسان یا مکلف مخلوق اگر اللہ کی تسبیح سے، اللہ کے ذکر سے محروم ہیں تو سمجھ لیں اس نے اپنی زندگی کھو دی اور دوسری مخلوق اور انسان کی زندگی میں ایک بڑا فرق ہے بہت بڑا فرق یہ ہے کہ انسان کو جو روح عطا کی گئی ہے زندگی جو عطا کی گئی ہے یا وہ کیفیت یا وہ شے جس کے باعث انسان زندہ ہے اس کی اصل صفات الہٰی اور عالم امر میں سے ہے **قل الروح من امر ربی** اب یہ عالم امر جو ہے یہ اس ارضی موت کی دسترس سے بالاتر ہے چونکہ موت خود مخلوق ہے **خلق الموت و الحیاۃ** اور اس کی ساری رسائی دائرہ تخلیق کے اندر اندر ہے اور عالم امر شروع وہاں سے ہوتا ہے جہاں عالم خلق کی انتہا ہوتی ہے تو گویا موت کی دسترس عالم خلق سے بالا نہیں ہے اور روح انسانی اس سے بالا کی چیز ہے تو وہاں کی موت و حیات کا تصور دوسرا ہے وہاں کی جو شے ہے اس کا تعلق اگر مرضیات باری سے ہے تو یہ اس کی حیات ہے اور اگر اس سے محروم ہے تو غضب الہٰی میں مبتلا ہو کر اپنی موت سے دوچار ہے ایسی موت جو کسی حال میں کبھی فنا کا نام نہیں ہے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ دائمی طور پر اللہ کی ناراضگی اور خدا کے عذاب میں مبتلا ہونے کا نام ہے۔

ذرا سوچئے کہ جب کائنات کا ہر ذرہ ذکر کرتا ہے اور انسان پھر ذکر نہیں کرتا بلکہ **و قلیل من عبادی الشکور**

موت ایک معمولی سی کیفیت کا نام ہے۔ اس میں یہ ضروری نہیں کہ یہ موت عذاب الٰہی ہو یا اللہ کی ناراضگی کا سبب ہو بلکہ یہ موت ہمارے راستے کی ایک منزل ہے جو دنیا سے آخرت کو جاتا ہے۔ حقیقی موت انسان کے لئے' ارواح انسانی کے لئے' اللہ کی رحمت سے محرومی ہے جسمانی موت تو صرف اس دنیا سے اس دنیا میں منتقل کر دیتی ہے۔

ہمیشہ ہر دور میں دنیا میں بہت کم لوگ ہی رہے ہیں جو اللہ کو یاد کرنے والے اللہ کی عظمت کے قائل ہیں۔ عملی زندگی میں اللہ کی عظمت کا اظہار کرتے ہیں تو یہ نہ سمجھا جائے کہ جو ذکر نہیں کرتا وہ فوراً" اس موت سے دو چار کیوں نہیں ہو جاتا جس سے ارضی طور پر ہم واقف ہیں یہ موت ایک معمولی سی کیفیت کا نام ہے۔ اس میں یہ ضروری نہیں کہ یہ موت عذاب الٰہی ہو یا اللہ کی ناراضگی کا سبب ہو بلکہ یہ موت ہمارے راستے کی ایک منزل ہے جو دنیا سے آخرت کو جاتا ہے۔

حقیقی موت انسان کے لئے' ارواح انسانی کے لئے' اللہ کی رحمت سے محرومی ہے جسمانی موت تو صرف اس دنیا سے اس دنیا میں منتقل کر دیتی ہے اچھے اور نیک اور ذاکرین انبیاء و رسل بھی اس راستے سے گزرتے ہیں اور وہ لوگ جو اللہ کی ناراضگی کا شکار ہوتے ہیں ان کا راستہ بھی یہی ہے لیکن یہ صرف راستہ ہے دائمی اور ابدی ٹھکانے کو جانے والا اور جو موت بصورت محرومی نصیب ہوتی ہے نہ صرف مکلف مخلوق کا حصہ ہے مکلفین میں سے بھی خصوصاً" انسان کا وہ بہت اذیت ناک بہت دردناک اور کبھی نہ ختم ہونے والا عذاب ہے۔

اسی آیت کریمہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے **و ان من شیء الا یسبح بحمدہ** کہ کوئی ایسی شے نہیں ہے جو اللہ کا ذکر نہ کرتی ہو تو نتیجہ یہ نکلا کہ جو شے ذکر نہیں کرتی وہ فنا ہو جاتی ہے اس کا وجود باقی نہیں رہتا کوئی پہاڑ ذکر چھوڑ دے تو زلزلے اس کا سینہ شق کر دیتے ہیں کوئی دریا ذکر چھوڑ دے تو خشک ہو جاتا ہے روانی چھن جاتی ہے کوئی درخت کوئی سبزہ ذکر چھوڑ دے تو خشک ہو جاتا ہے کاٹ دیا جاتا ہے جلا دیا جاتا ہے کوئی حیوان جب ذکر چھوڑ دیتا ہے تو اس کی موت واقع ہو جاتی ہے کوئی درندہ کوئی شکاری اسے شکار کر لیتا ہے کوئی نہ کوئی سبب اس کے فنا کا بن جاتا ہے بغیر ذکر الٰہی کے کسی بھی شے کا وجود باقی رہنا ممکن نہیں اور ایک عجیب اصول ہے کائنات میں وہ ہے مستثنیات کا۔

قانون ایک چیز ہے اور قدرت دوسری چیز اللہ کریم اپنی قدرت کے اعتبار سے ان قوانین کے سامنے مجبور و بے بس نہیں جو اس نے کائنات میں جاری و ساری فرما دیا۔ اس شے کے اظہار کے لئے تمام کائنات میں ایک قانون ہے جسے قانون استثنا کہا جاتا ہے جیسے مرد اور عورت سے پیدا ہونا یہ قانون فطرت ہے لیکن خود مرد اور عورت بغیر کسی ماں باپ کے پیدا ہوئے یہ اللہ کی قدرت ہے۔ ماں اور باپ دو میں سے پیدا ہونا یہ قانون فطرت ہے لیکن حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو اکیلی ماں سے بغیر باپ کے پیدا فرمایا یہ اظہار قدرت ہے۔ کہ خدا چاہے تو ایسا بھی کر سکتا ہے وہ اس بات پر مجبور نہیں ہے۔ اس طرح بہت سے مستثنیات ہمیں ملتے ہیں جو قدرت باری کا اظہار کرتے ہیں۔ مثلاً" ہر چیز کی نسل اس کی اپنی ذات سے چلتی ہے خچر ایک ایسا جانور ہے جس کا نر اور مادہ دونوں بانجھ ہوتے ہیں دونوں بچہ نہیں دیتے اور دوسری دو نسلیں مل کر اس کی نسل چلتی ہے لیکن آج تک وہ دنیا سے معدوم نہیں ہوا۔ حالانکہ نہ اسی کا نر اولاد کے قابل ہوتا ہے اور نہ اس کی مادہ اولاد کے قابل

ہوتی ہے اس کے باوجود اس کی نسل چلتی رہتی ہے کہ یہ استثنا ہے اس طرح بے شمار مستثنیات ملتے ہیں۔

تو اس قانون میں بھی ایک استثنٰی ہے محققین نے لکھا ہے کہ کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں جو ذکر الٰہی نہ کرتی ہو اور جو جس وقت ذکر کرنا چھوڑ دے اس وقت وہ دنیا سے فنا ہو جاتی ہے اس پر موت وارد ہو جاتی ہے سوائے گدھے اور خنزیر کے ان دو کو یہ استثنٰی حاصل ہے کہ اللہ کا ذکر بھی نہیں کرتے اور اللہ کی زمین پر رہتے بھی ہیں۔

تو آدمی بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ کیسے جانور ہیں عقل سے عاری ہونے میں گدھا ضرب المثل ہے بات کو نہ سمجھنے میں گدھا مثال ہے اور دنیا کی ہر غلاظت کا مجموعہ ہے خنزیر۔ تو گویا ذکر الٰہی سے محرومی انسان سے عقل و شعور بھی چھین لیتی ہے اور دنیا کی ہر برائی کی اس سے امید کی جا سکتی ہے۔

دنیا کا کوئی بھی گناہ کوئی بھی برائی اس سے سرزد ہو سکتی ہے جو اللہ کو یاد کرنے والا نہ ہو لیکن فرمایا عام انسانی ذہن یا دیوی ذرائع جو علم کے مادی ذرائع ہیں یعنی مادی آنکھیں مادی کان مادی زبان ان سے ہر چیز کی ارض و سما کی ہر شے کی تسبیح کو سمجھنا یہ ممکن نہیں ہے **ولکن لا تفقھون تسبیحھم** یہ اور بات ہے کہ تمہیں ان مادی کانوں سے مادی آنکھوں سے یا مادی عقل سے یہ سنائی نہیں دیتا کہ کیسے ذکر کرتے ہیں اور اس سے یہ بھی سمجھ آتی ہے کہ یہاں زبان حال سے ذکر مراد نہیں ہے زبان حال سے جو ذکر الٰہی ہے اسے تو مادی شعور سمجھتا ہے۔ انسان درخت کی سبزی کو دیکھ کر عظمت الٰہیہ کی دلیل جانتا ہے انسان پہاڑوں کی بلندیوں دریاؤں کی روانیوں اور ان کے اس حال کو اللہ کی عظمت کی دلیل سمجھتا ہے جو ذکر وہ زبان حال سے کرتے ہیں انہیں ہم اپنے شعور و حواس سے سمجھ سکتے ہیں لیکن جسے مادی ذرائع علم نہیں سمجھ سکتے ان کا وہ ذکر زبان قال سے ہے جس طرح ہم اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اپنی زبان سے اس طرح ہر ہر شے کی اپنی زبان ہے اس کی اپنی بولی ہے اس کا اپنا قال ہے اور اپنی زبان میں وہ ذکر کیا کرتی ہے۔

حدیث شریف میں ملتا ہے صحابہ کرام علیہم اجمعین سے وہ فرماتے ہیں کہ ہم کھانا کھا رہے ہوتے تھے اس حال میں کہ اس کھانے سے ہم اللہ کی تسبیحیں سن رہے ہوتے تھے یعنی وہ روٹیاں وہ سالن جو ہمارے سامنے رکھا ہوتا تھا اور جسے ہم کھا رہے ہوتے تھے اسی کھانے سے ہم کھانے کے دوران اللہ کی تسبیحیں سن رہے ہوتے تھے یہ سننا جو ہے وہ دل کے کانوں سے ہے دل کے ذرائع جو علم کے ہیں ان سے ہے جب دل خود زندہ ہو خود ذاکر ہو اس میں حیات کے بھی کئی مدارج ہوتے ہیں چھوٹا بچہ بھی زندہ ہوتا ہے اور زندگی کے تمام آثار اس میں موجود ہوتے ہیں لیکن سننے کی قوت وہ نہیں ہوتی جو بڑے آدمی میں ہوتی ہے۔ ابتداء میں جب وہ سن سکتا ہے تو سمجھنے کی استعداد نہیں ہوتی جیسے کسی بڑے آدمی کی ہوتی ہے آوازوں کو سن کر ان کا مفہوم نہیں سمجھ سکتا لیکن ایک سٹیج ایسی آتی ہے جب شعور میں پختگی آ جاتی ہے تو چھوٹی چھوٹی آوازوں کو وہ سن کر سمجھ لیتا ہے بعض لوگوں سے اتنی آشنائی ہوتی ہے کہ اس کی شکل دیکھے بغیر آواز سن کر ہم پہچان لیتے ہیں کہ فلاں آدمی بات کر رہا ہے۔

اسی طرح جب دل کو حیات نصیب ہوتی ہے تو ابتدا" اسے یہ شعور نہیں ہوتا کہ آواز کیسی ہے کہاں سے آ رہی ہے لیکن جب اسے بھی جوانی اور اپنے شعور میں پختگی نصیب ہو جائے تو یہ تمیز کر سکتا ہے آوازوں میں باتوں میں نام لینے میں سننے میں اس کی استعداد اللہ کریم دے دیتے ہیں اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ عامتہ الناس اگر چاہیں کہ جب ہر شے اللہ کا ذکر کرتی ہے تو ہمیں سنائی بھی دے تو فرمایا مادی ذرائع سے اس چیز کو سننا تمہارے لئے ممکن نہیں ہے **انہ کان حلیما غفورا**

اللہ کریم بہت بردبار ہیں اور یہ اس کا حلم ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ ذکر نہ کرے اور تمہیں اس نے ایک مقرر

مدت تک مہلت دے دی ہے اور تب تک تجھے برداشت کرتا ہے جو تم کرتے ہو۔ کسی کے سامنے تمہارے قصے بیان کرنے نہیں جاتا۔ کسی وقتی اور لمحاتی لغزش سے خفا ہو کر تم سے زندگی چھین نہیں لیتا کہیں کسی کے سامنے تمہارے حال کو بیان تک نہیں کرتا شکوہ نہیں کرتا ایک انسان کا حال دوسرے کے سامنے بیان نہیں کرتا اور وہ بخشنے والا بھی ہے۔

اگر بہت دور جا کر بھی تم واپس پلٹنا چاہو تو وہ ساری خطائیں معاف کر دیتا ہے لیکن جو وقت اس نے مقرر کر دیا ہے اگر وہاں پہنچنے تک بھی کوئی شخص واپس نہ پلٹا اور اس نے ذکر الہی اور عظمت الہی کا اقرار اور اللہ کی تسبیح نہ کی تو یہ سمجھ لیں کہ وہ دائمی اور ابدی ایک ایسی اذیت ناک موت سے دو چار ہونے والا ہے جو اس ارضی موت سے مختلف ہے جو بدن سے حصے چھین نہیں لے گی بلکہ ہمیشہ ہمیشہ ایک اذیت ایک کرب اور درد ناک عذاب سے دوچار ہوتا ہو گا۔

فرمایا کتنے ذرائع دعوت الہیہ کے ہیں۔ان میں سب سے مضبوط تر سب سے حسین تر ذریعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ہے جس میں بات اللہ کی ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور زبان اور انداز بیان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے مخلوق میں جس کی کوئی نظیر نہیں۔ تو پھر تو لوگوں کو دیوانہ وار لپکنا چاہئے اس بات کی طرف کہ مزاج انسانی فطرتاً" حسن کا پجاری ہے حسن کا فدائی ہے کوئی جانور حسین ہو یہ اسے بھی کھڑا دیکھتا رہتا ہے کوئی پہاڑ حسین ہو تو یہ اس سے نگاہ اٹھانے کو تیار نہیں ہوتا کوئی دریا کا حسن ہو کسی وادی کا حسن ہو کوئی حسین آواز ہو کوئی حسین بات ہو کوئی حسین مضمون ہو یہ اس پہ فدا ہو جاتا ہے اور پھر عظمت الہیہ ہو اس کا حسن ہو اس کے ساتھ کلام بھی اللہ کا ہو اور اس کا حسن بے مثال ہو اور پھر زبان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو اور اس کی شیرینی اور اس کا حسن بھی پوری مخلوق میں بے مثل بے مثال ہو تو اس سب کے باوجود انسان کیوں محروم رہتا ہے اللہ کریم فرماتے ہیں **و اذا قرات القران** جن لوگوں سے میری بات بگڑ چکی ہے وہ گناہ کی اس حد تک پہنچ چکے ہیں جہاں تک صلح ممکن نہیں ہے ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے اس حد کو عبور کر جائے تو واپسی ناممکن ہوتی ہے فرمایا جو اس حد کو عبور کر چکے ہیں۔

جعلنا بینک و بین الذین لا یومنون بالاخرۃ حجابا مستورا ان کے اور تیرے درمیان میں ایک پردہ حائل کر دیتا ہوں۔ ان کے لئے نہ میرے کلام میں حسن ہے نہ تیری زبان کا حسن ان تک پہنچ سکتا ہے۔ **و جعلنا علی قلوبھم اکنتہ ان یفقھواہ و فی اذانھم و قرا۔** میں ان کی آنکھوں میں کانوں میں ڈاٹ لگا دیتا ہوں اور ان کے دلوں کو مضبوط کر دیتا ہوں کوئی چیز ان میں داخل نہیں ہو سکتی پھر کلام باری ہو زبان آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو تو ظاہری کان تو سنتے ہیں ان کے ظاہری کان تو اللہ کریم بند نہیں فرماتے کیونکہ سارے کافر سارے مشرک حضور کی بات سنتے تھے اور جنہیں ایمان نصیب ہوتا تھا وہ ایمان لے آتے تھے اور جن کے دلوں کو جن کے کانوں کو خدا نے بند نہیں کیا تھا وہ ایمان لے آتے تھے اور جن کے دلوں پر مہر ہو چکی تھی انہیں اسی حسین آواز پر انہیں اسی بے مثال دعوت پر غصہ آتا تھا یہ دیکھیں کتنی عجیب بات ہے کہ جس بات میں جس انداز بیان میں اس قدر شیرینی ہو کہ انسان کا مٹ جانے کو جی چاہے اور پھر واقعی

کہیں ہمارے قلوب اپنی حسیات اور اپنے ذرائع علم کھو تو نہیں بیٹھے مرتو نہیں گئے۔ دل کی موت دھڑکنا اور دھڑکنے سے رک جانا نہیں ہے یہ تو بدن کی موت ہے دل کی موت تجلیات باری سے محروم ہو جاتا ہے۔

جن کے دلوں نے اس شرینی کو چکھا وہ مٹ ہی گئے۔

ایمان لانے کے بعد دنیا سے جانے تک کسی صحابی نے اپنے وجود کو اپنی ذات کو اپنے ارادوں کو اپنے مال کو اپنا نہیں سمجھا۔ مدینہ منورہ میں ایک صحابی کے پاس اس قدر خوبصورت باغ تھا اور اس قدر اس کی کھجوروں کی شاخیں آپس میں ملی ہوئی تھیں کہ ایک دفعہ وہ باغ میں تشریف رکھتے تھے تو ایک پرندہ باغ میں پھنس گیا باغ کے کھجوروں کے تنوں میں سے اندر آگیا اب اوپر اسے روشنی تو نظر آتی تھی لیکن اوپر نکلنے کا راستہ نہیں ملتا تھا تو وہ باغ میں دوڑتا تھا اس طرف سے اڑتا ہوا اس طرف جاتا ادھر سے اڑتا ہوا ادھر جاتا لیکن کہیں سے ایک چڑیا کے اوپر نکلنے کا راستہ نہیں تھا اس قدر گھنا باغ تھا تو وہ بیٹھے اسے دیکھتے رہے دیکھو کتنا اللہ کا شکر ہے کتنا حسین باغ ہے جب نماز کے لئے مسجد نبویؐ میں پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو چکے تھے نماز پڑھا چکے تھے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں ایک نماز کے چھوٹ جانے کا اس اللہ کے بندے کو اتنا قلق ہوا کہ اس وقت اس نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے میرے باغ نے اتنا مصروف رکھا کہ میری جماعت کی نماز قضا ہوئی۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! آج ہی اللہ کے نام پر اسے خیرات فرما دیجئے کہ آئندہ کبھی ایسا نہ ہو کہ حضورؐ نماز پڑھا رہے ہوں اور میں بیٹھا باغ کو دیکھ رہا ہوں تو دیکھ لو کتنی بڑی بات ہے کہ چند لمحوں کی حضوری جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتداء میں تھی وہ چھوٹ گئی اس نے نماز چھوڑ تو نہیں دی ہو گی۔ اس نے نماز تو ادا کر لی ہو گی چھوٹا اگر تو وہ لمحہ چھوٹا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خدام کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں حاضر تھے میں کیوں پیچھے رہ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہوتے ہوئے میں نے تنہا نماز کیوں پڑھی صرف اس بات کی وجہ سے وہ مدینہ منورہ کا حسین ترین باغ برداشت نہ کر سکے انہوں نے کہا یا رسول اللہ۔ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیجئے اب سے میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یعنی سب سے قیمتی متاع زندگی جو ان کے پاس تھی وہ آپؐ کی ذات آپؐ کی غلامی آپؐ کے ارشادات کو سننا آپؐ کی اتباع و اقتداء میں کھڑا ہونا اور آپؐ ہی کے ساتھ مل کر اللہ کی عبادت میں مصروف رہنا ان کا مقصد حیات بن گیا تھا۔

اس لئے کہ ان کی سمع تک وہ لذت پہنچی تھی جو اللہ کی بات میں اور حضورؐ کی دعوت میں ہے اور آئے دن جو وعظ ہوتا ہے تقریریں ہوتی ہیں جن میں اللہ ہی کا قرآن بیان کیا جاتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وہ تشریح بیان کی جاتی ہے تفسیر بیان کی جاتی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تو کیا وجہ ہے کہ نہ سننے والا متاثر ہوتا ہے نہ کہنے والے کی حالت بدلتی ہے کہنے والا بھی ویسے کا ویسا کورا رہ جاتا ہے الا ماشاء اللہ اور سننے والا بھی اور حد ہے آپ غور فرمائیں گے تو اکثر لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ بات کرنے والے کے لب و لہجے آواز کے زیرو بم اور اس کے برمحل اور برجستہ شعر پڑھنے کی تعریف کر رہا ہو گا۔ یعنی ان باتوں کی لذت اس تک پہنچی لیکن حقیقی لذت جو کلام الٰہی کی تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تھی وہ اس تک نہ پہنچی۔ کیوں؟ کیا ان میں سے کوئی لذت اللہ کریم نے اٹھا لی ہے۔ ہرگز نہیں ایسا نہیں ہے۔

اللہ کا کلام اس کی صفت ہے ابدی ہے دائمی ہے اس کی کیفیات اس کی ساری لذات دائمی ہیں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رسالت کے ساتھ ابدالآباد متصف ہے اور اس کی نبوت اس کی رسالت کے سارے کمالات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کبھی متغیر نہ ہوں گے اور ان میں کوئی تغیر پذیری نہیں ہو گی۔ کوئی کمی نہیں آئے گی۔

تو ان سب باتوں کے اپنے حال اپنے مقام پر موجود ہونے کے باوجود اگر کسی کو وہ لذت نہیں ملتی جس نے آپؐ کے چاہنے والوں کو دیوانہ اور مجنوں بنا دیا تھا پھر اس کی ایک ہی وجہ ہے کہیں اللہ نے ہماری خطاؤں سے خفا ہو کر ہماری لغزشوں ہمارے گناہوں سے ناراض ہو کر ہمارے دلوں کے اور اس کی شرینی کے درمیان پردہ تو نہیں ڈال دیا کہیں ہمارے قلوب اپنی حسیات اور اپنے ذرائع علم کھو تو نہیں بیٹھے مر تو نہیں گئے۔ دل کی موت دھڑکنا اور دھڑکنے سے

رک جاتا نہیں ہے یہ تو بدن کی موت ہے دل کی موت تجلیات باری سے محروم ہو جاتا ہے۔

تو فرمایا جنہیں نہ میرے کلام میں لذت ملتی ہے نہ میری زبان میں لذت ملتی ہے اس کی وجہ یہ ہے **و جعلنا علی قلوبھم اکنتہ ..... وقراء۔** اور اس پردے کا اور اس حجاب کا اثر یہ ہوتا ہے **و اذا ذکرت ربک فی القران وحدہ** ذکر ہو پروردگار عالم کا ذاکر ہوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور زبان ہو اللہ کے قرآن کی اور توحید باری بیان ہو رہی ہو تو جس میں اتنی شرینی ہے کہ وہاں مٹ جانے کو جی چاہے انہیں اس سے سن کر تنفر پیدا ہوتا ہے اثر بدل جاتا ہے۔ جس کا دل سنتا ہو اس کا وہیں مٹ جانے کو جی چاہتا ہے اور جس کا دل نہ سنتا ہو اسے تنفر پیدا ہوتا ہے۔

و لوا علی ادبار ھم نفورا وہ نفرت سے بھر کر پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں ہم تو جانتے ہیں ہم تو جان رہے ہوتے ہیں۔

بما یستمعون بہ اذ یستمعون الیک و اذھم نجوی جب آپؐ کے سامنے آپؐ کی بات سن رہے ہوتے ہیں اور پھر جب آپؐ سے علیحدہ ہو کر آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں **اذ یقول الظالمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا۔** کتنا درد ہے اس فقرے میں کہ ظالم کہتے ہیں کہ تم تو کسی ایسے شخص کے پیچھے چل پڑے ہو جو خود سحر زدہ ہے جس پر کسی نے جادو کر دیا ہے کہ اپنا ہوش نہیں پتہ نہیں کیسی باتیں کرتا ہے۔

اور ان کا یہ کہنا اللہ کے نزدیک بہت بڑا ظلم بہت بڑی ناانصافی ہے **انظر کیف..... امثال** فرمایا میرے حبیبؐ دیکھ جب دل میں کجی آتی ہے جب دل اندھے ہوتے ہیں تو حقیقت کیا ہوتی ہے اور انہیں نظر کیا آتا ہے تو دل کا اندھا پن اللہ کا کتنا بڑا عذاب ہے کہ ساری کائنات کا حسن ایک مرکز پر جمع ہو گیا اور انہیں وہاں بدصورتی نظر آتی ہے کتنی عجیب بات ہے آواز کا حسن ہو چہرے کا حسن ہو خدوخال کا حسن ہو اوصاف باطنی کا حسن ہو اور بات اللہ کی ہو زبان ہو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت الی اللہ ہو عظمت الہی سارے حسن جنہیں حسین کہا جاتا ہے جنہیں حسن کہا جاتا ہے سارے حسن بیک وقت ایک مرکز پر مرتکز ہو گئے اگر دنیا میں کروڑوں اربوں سورج ہوں تو سارے سورج بیک وقت ایک نقطے پر جمع ہو جائیں اور دیکھنے والا کہے کہ ادھر تو اندھیرا ہی اندھیرا ہے کتنی عجیب بات ہے کتنا بڑا ظلم ہے کتنی بڑی زیادتی ہے۔ فرمایا **فلا یستطیعون سبیلا** گمراہ ہو گئے اور ایسے بھٹکے کہ واپسی کا راستہ بھی نہ رہا یعنی جس شخص کو اللہ کے قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ہدایت نصیب نہیں ہوئی پھر اس سے بڑھ کر اس کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ اور سبب ہدایت کا نہیں ہے یعنی یہ آخری دوا ہے قلوب کی حیات کے لئے یہ آب حیات کا وہ بڑا سوتا وہ بڑا دریا وہ بڑا سمندر ہے کہ جو یہاں سے محروم گیا اس کے لئے کوئی قطرہ آب حیات کا موجود نہیں۔ اپنے کردار اپنے اعمال اپنی آرزوں کا اپنی خواہشوں کا جائزہ لینا چاہئے اگر تو ہماری خواہشوں کا رخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی طرف ہو گیا تو سمجھ لو دل زندہ ہے۔ کسی شخص کو ساری زندگی کشف نہ ہو اس سے کوئی کرامت ظہور پذیر نہ ہو لیکن اسے حضورؐ کی اطاعت کا جذبہ نصیب ہو جائے اس کے دل میں اللہ کی اطاعت کا جذبہ زندہ ہو جائے تو وہ سمجھ لے کہ میرا کام بن گیا میں صحیح سمت جا رہا ہوں اور اگر سارے کمالات حاصل ہوں یہ جذبہ مرجائے تو سارے کمالات آن واحد میں سلب ہو جاتے ہیں کوئی کمال کمال نہیں رہتا۔

(بیان۔ ۱۰ جولائی ۱۹۸۶ء)

دعائے مغفرت

سلسلہ عالیہ کے بزرگ ساتھی چوہدری برکت علی صاحب (اویسیہ سوسائٹی لاہور) قضائے الہی سے وفات پا گئے ہیں۔ ان کے لئے ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

شرک

مولانا محمد اکرم اعوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ولا تدع مع اللہ الٰھاً اٰخر ۘ لا الٰہ الا ھو ۚ کل شیءٍ ھالکٌ الا وجھہ لہ الحکم والیہ ترجعون۔

سورۃ القصص کی یہ آخری آیہ مبارکہ ہے بیسویں پارے میں اس میں مومن کی زندگی کا بنیادی نقطہ ارشاد فرمایا گیا ہے تقاضائے ایمان یہ ہے کہ ارشاد ہوتا ہے۔

لا تدع مع اللہ الٰھاً اٰخر۔ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو بحیثیت معبود نہ پکارو یہ بڑی عجیب بات ہے کہ انسانی مجبوری ہے کہ وہ اللہ کو واحد اور لا شریک مانتا ہے مومن ہو یا کافر دنیا کا کوئی باطل مذہب بھی بالآخر ایک اکیلی طاقت پر جا کر رکتا ہے تو جب سارے ہی لوگ مانتے ہیں تو مومن اور کافر میں فرق پھر کیا ہے جتنے لوگ دیوی دیوتاؤں کو مانتے ہیں بالآخر وہ بھی چھوٹے سے بڑا پھر بڑے سے بڑا آخر میں ایک ایسی ہستی انہیں ماننی پڑتی ہے جو سب سے بڑی ہے جتنے لوگ کسی مذہب کو بھی نہیں مانتے انہیں بھی فطرت یا نیچر کے نام پر ایک طاقت کا اقرار کرنا پڑتا ہے جو یہ سارا کارگاہ حیات کا نظام چلا رہی ہے یعنی کسی نہ کسی پہلو سے کسی نہ کسی نام سے کسی نہ کسی طریقے سے مجبوری ہے انسان کی کہ وہ ایک آخری طاقت کو مانتا ہے جو سب پر غالب ہے وہی اللہ کی ذات ہے جو لوگ مجبوراً مانتے ہیں ان کی عقل انہیں ماننے پہ مجبور کر دیتی ہے وہ صرف مان کر چھوڑ دیتے ہیں امیدیں دوسری طاقتوں سے وابستہ رکھتے ہیں سب سے بڑے دیوتا کو مانے گا کسی دیوی دیوتاؤں کو پوجنے والا لیکن شاید بے شمار دیویوں کو بے شمار دیوتاؤں کو پوجے گا اور اپنے حالات ان کے سامنے لے جائے گا اور ان کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا مومن جب اسی ہستی کو مانتا ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ ویسا نہیں مان سکتے جیسا وہ ہے اس لئے کہ وہ خود ہی بتا سکتا ہے کہ وہ کیسا ہے اس کی شان ایسی ہے کہ کسی ذہن میں کسی دماغ میں کسی فن میں کسی علم میں اس کو سمو کر ناپا پرکھا نہیں جا سکتا کوئی خدو خال متعین نہیں کیے جا سکتے کوئی کیفیت و کمیت متعین نہیں کی جا سکتی وہ خود ہی بتائے کہ جو صفات آدمؑ نے ذات باری کی بیان کیے وہی ذات و صفات ہر نبی ہر رسول نے بیان کیں حتیٰ کہ آقائے نامدار رسول ﷺ نے بھی وہی حقائق بیان کیے اس لئے کہ اس کی ذات میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی تبدیلی نہیں آتی اور انبیاءؑ کی صداقت پر ایک یہ بھی بہت وزنی دلیل پیش کی جاتی ہے کہ پانچ پانچ سو سال ہزار ہزار سال کے وقفے

کے بعد جو نبی اور رسول مبعوث ہوا پہلے دین مٹ چکے تھے پہلی کتاب کا نام و نشان بھی نہیں تھا اس نے بھی جبھی ذات باری یا صفات باری کے متعلق جو کہا وہ وہی تھا جو اس سے پہلے نبیوں نے کہا چوں کہ سارے اسی ذات کے نبی اور رسول تھے لہٰذا اللہ کی معرفت اللہ کو ایسا ماننا جیسا کہ وہ ہے صرف اس بندے کو نصیب ہے جسے محمد رسولؐ کے دامن حق کے ساتھ وابستگی نصیب ہے باقیوں کا ماننا نہ ماننے جیسا ہے اس لئے کہ اول تو انہیں پتہ نہیں کہ وہ ہے کیسا اس کی ذات کیسی ہے اس کی صفات کیسی ہیں اس کی طاقت و قوت کیسی ہے اس کا علم کیسا ہے اس کی قدرت کاملہ کا کوئی اندازہ وہ نہیں لگا سکتے دوسری بات یہ ہے کہ مجبوراً" وہ مان تو لیتے ہیں لیکن اپنی امیدیں اس سے وابستہ نہیں کر سکتے امیدیں چھوٹے چھوٹے بتوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی طاقتوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے دروازوں پر لے جاتے ہیں اور جب انبیاؑ نے اس بت پرستی کی وجہ پوچھی تو کفار نے کہا کہ ہم انہیں اس لئے پوجتے ہیں۔

لیقربونا الی اللہ زلفیٰ کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب لے جائیں ہمیں تو اللہ کی کوئی معرفت نہیں ان کی پوجا ہم کریں گے اور یہ ہمیں وہاں لے جائیں گے یعنی اللہ کا تصور ان کے پاس موجود ہے لیکن عبادات دوسروں کی کرتے ہیں امیدیں دوسرے سے وابستہ کر رکھی ہیں تقاضائے ایمان یہ ہے کہ مومن اللہ کی عظمت کا اقرار کرے تو پھر اپنی ساری امیدیں اس کی ذات سے وابستہ کر دے۔ تو امیدیں وابستہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ کسی بھی چیز کو حاصل کرنے کے لئے یا کسی چیز کے کھو جانے کے ڈر سے کسی کی وہ اطاعت نہ کرے جو اللہ کو پسند نہ ہو انبیاءؑ کی اطاعت کی جاتی ہے اس لئے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرواتے ہیں اللہ کی بات بتاتے ہیں **من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** جس نے اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اللہ کے بندوں کی پیروی یا اطاعت اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ اپنی بات نہیں منواتے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی بات بتاتے ہیں لیکن جہاں کوئی ہستی ایسی آجائے جو اللہ کے احکام کے مقابلے میں نبیؐ کی سنت کے مقابلے میں اپنی گھڑی ہوئی کوئی بات ماننے کا حکم دے اور بندہ اس سے امید خیر رکھے یا بھلے کی امید رکھ لے اس کی وہ بات مان لے تو یہ ایمان کے منافی ہوتا ہے اب اس کسوٹی پر اگر ہم اپنے آپ کو تولیں تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہم کتنے مومن ہیں۔

مولانا احمد علی لاہوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ کسی کا رب اس کی دکان ہے تو کسی کا رب اس کا دفتر کسی کا رب کوئی سیاسی رہنما ہے تو کسی کا رب کوئی بہت بڑا آفسر اپنی امیدیں ان سے وابستہ رکھتے ہیں اور ان کی غلامی سے فرصت ملے تو رب کا سجدہ کر لیتے ہیں ورنہ رب کا سجدہ بھی چھوڑ دیتے ہیں ان کا دروازہ نہیں چھوڑتے تو اسلام کوئی فلسفہ نہیں ہے اسلام عملی زندگی کا نام ہے اسلام محض کوئی تھیوری نہیں ہے اسلام ہماری اس فکر کا نام ہے جس کا عکس ہمارے کردار میں نظر آتا ہے اسلام ہمارے اس یقین کا نام ہے جس کی جھلک ہمیں اپنے اعمال میں نظر آتی ہے تو عملی طور پر اگر ایک آدمی تاش کھیلتا رہتا ہے اسے تاش سے اتنی رغبت ہے اسے کھیل سے اتنی رغبت ہے کہ اسے فرائض بھی یاد نہیں رہتے اور اس کا اس کے ساتھ دعوی ایمان بھی ہے بھلا ایک کھیل یا ایک وقت گذارنے وقت ضائع کرنے کا ایک طریقہ ہے وقت گذارنا تو یہ نہیں ہے یہ وقت ضائع کرنا ہے چوں کہ زندگی انسان کو ضائع کرنے کے لئے نہیں ملی اس کے ایک ایک پل کا حساب ہوگا یہ اتنی قیمتی چیز ہے کہ بجز ذات باری کوئی ایک لمحہ کسی دوسرے کو دے نہیں سکتا اور اتنی قیمتی چیز جب اس نے دی ہے تو اس کے ایک ایک لمحے کا حساب بھی ہوگا تو وہ کھیلوں میں بازیوں میں بے کار ضائع کرنے کے لئے نہیں دی گئی ہاں وہ کھیل جو جسمانی تربیت کا حصہ ہے وہ کھیل جو ذہنی تربیت کا حصہ ہیں اور ان میں کوئی قباحت

نہیں ہے اپنے اوقات کے مطابق یہ نہیں کہ آپ جمعے کو کرکٹ کا میچ رکھ لیں اور کہیں کہ کھیل ضروری ہے جمعہ چھوڑ دیں یہ مسلمانی نہیں ہے بلکہ کھیل کے اپنے اوقات ہیں عہد نبویؐ میں بھی کھیل ہوتے تھے لیکن کسی نماز میں مخل نہیں ہوتے تھے گھوڑ دوڑ ہوتی تھی نیزہ بازی ہوتی تھی تلوار بازی ہوتی تھی اس عہد کے کھیل ہوتے تھے آج بھی وہ کھیل جو قومی زندگی میں مفید ہو جو ذاتی زندگی میں مفید ہو جو صحت کے لئے مفید ہو لیکن وہ عبادات میں مخل نہیں ہو سکتا چوں کہ ہر ایک کی اپنی درجہ بندی ہے تو کھیل سے آگے نکل کر ہم دیکھیں دو وقت کی روٹی کے لئے ہم اللہ کو یاد کرنا چھوڑ دیں گے اور غیر اللہ سے ہماری امیدیں وابستہ ہوں گی ۔ آپ یہ اندازہ کر لیں ابھی الیکشن آتے ہیں ووٹ ہوتے ہیں حکومتیں ٹوٹتی بنتی ہیں تو جب ہم ووٹ دیتے ہیں کیا ہمیں یہ یاد ہوتا ہے کہ ایک مسلمان ہوں اور میں ایک مسلمان ریاست کے لئے ایک قیادت چننے کے لئے اپنی رائے دے رہا ہوں یہ جسے جدید زبان میں ہم ووٹ کہتے ہیں یہ وہی بات ہے جو عہد نبویؐ یا خلفائے راشدین یا قبل اسلام شروع اسلام کے ابتدائی زمانوں میں جسے بیعت کہا جاتا تھا بیعت امارت کسی کو امیر یا کسی کو حاکم بنانے کے لئے جو بیعت کی جاتی تھی اس کی موجودہ صورت ووٹ کہلاتی ہے ووٹر جو ووٹ دیتا ہے وہ اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ یہ بندہ اس منصب کا اہل ہے اپنے علم کے اعتبار سے اور یہ بندہ اپنے کردار کے اعتبار سے اس منصب کا اہل ہے یہ امانت دار ہے یہ امین ہے یہ قومی مفاد کو نقصان نہیں پہنچائے گا یہ ووٹ دینا اس بات کی شہادت ہے تو پھر بدمعاشوں کو ووٹ کون دیتا ہے اور کیوں دیتا ہے صرف اس لئے کہ یہ چور ہیں ہمیں چوری میں سے حصہ دیں گے یا جب ہم چوری کریں گے تو یہ ہماری مدد کریں گے یہ پردہ پوشی کریں گے بڑی سادہ سی بات ہے اب یہ طرز عمل جو ہے یہ تقاضائے ایمان کے منافی ہے یہ ایمان کے خلاف ہے اور اس کو شرک کہا جاتا ہے اور اس کو غیر اللہ کی عبادت کہا جاتا ہے یعنی غیر اللہ سے اس حد تک امیدیں وابستہ کر لینا کہ اللہ کی اطاعت چھوڑ کر اس کی غلامی کا حق ادا کرنا اُس سے منع کیا جا رہا ہے فرمایا۔

لا تدع مع اللہ الھا اخر۔ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کی اس طرح اطاعت نہ کر کہ وہ عبادت کا درجہ بنا لے اس لئے کہ حق یہ ہے کہ کسی دوسرے کو یہ حق ہی نہیں پہنچتا وہ اس بات کا مستحق ہی نہیں ہے کہ اس کی اس طرح سے اطاعت کی جائے اس کی عبادت کی جائے اور یہ بھی یاد رکھو۔

کل شیئی **ھالک**" ہر چیز تباہ ہونے والی ہے جسے خود فنا کا خوف ہے وہ دوسرے سے عبادت کرانے کا مستحق نہیں ہو سکتا ۔ اپنی بقا کا جسے یقین نہیں ہے جو اپنے آپ کو باقی رکھنے پہ قادر نہیں ہے وہ دوسرے کی حفاظت کا ذمہ کیسے لیتا ہے جو خود محتاج ہے وہ دوسروں کا حاجت روا کیسے بن سکتا ہے جسے خود فنا نے تاک رکھا ہے۔ **ھالک** موت ہلاکت فنا ان سب کا ایک مفہوم ہے کہ ہمارے سامنے جو عالم آب و گل ہے ہمارے سامنے جو لوگوں کی حیثیت ہے ہمارے سامنے جو بڑے بڑے پہاڑ کھڑے ہیں ہمارے سامنے جو بڑی بڑی عمارات ہیں ہمارے سامنے جو بڑی بڑی سلطنتیں اور حکومتیں اور اقتدار ہیں یہ سارے ختم ہونے والے ہیں اور ختم ہو کر یہ بھاگ نہیں جائیں گے مٹ نہیں جائیں گے بلکہ انہیں پھر اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور ان سب سے جو اب طلبی ہوگی یہ سب اپنی جواب دہی کے لئے اس کے حضور حاضر ہوں گے تو جو خود عدالت کی گرفت میں ہے اسے آپ اپنا عادل کیوں سمجھتے ہیں جو خود محتاج ہے اس سے آپ امیدیں کیوں وابستہ کرتے ہیں اگر ہم اسلام کے اس بنیادی تقاضے کو سمجھ لیں اور اللہ پر بھروسہ کرنا سیکھ لیں تو کوئی ایسی مجبوری نہیں ہے کہ

پاکستان کے موجودہ آئین میں سارا اسلام نافذ نہ ہو سکے۔ ہمارا جو موجودہ آئین ہے اس پر اگر دیانت داری سے عمل کیا جائے تو سارا نظام جو ہے وہ اسلام کے مطابق ہو جاتا ہے ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہمارے رہنما بھی کبھی دستور کا مطالعہ نہیں کرتے اول تو ہمارے جو سیاسی رہنما ہوتے ہیں ان میں یہ اہلیت ہی نہیں ہوتی کہ وہ اردو یا انگریزی کی عبارت پڑھ سکیں یا وہ قانون یا دستور کی عبارت پڑھ سکیں بیشتر تو وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں لکھنا پڑھنا نہیں آتا ہے انہیں اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی وہ اس کو خاطر میں ہی نہیں لاتے اس کی پرواہ ہی نہیں کرتے انہیں ضرورت کا چیپٹر جو انہوں نے منشی مشدی رکھے ہوتے ہیں وہ انہیں مارک کر کے بتا دیتے ہیں یہ سیکشن اور اس کا فلاں جزبی ٹوبی ون فلاں فلاں فلاں وہ یاد کر کے اس کی بات کر دیتے ہیں ورنہ اس ملک میں عجیب تماشہ ہے۔ ہمارے آئین کا دو نمبر چیپٹر جو ہے وہ یہ بات بتا تا ہے کہ حاکمیت اعلیٰ اللہ رب العزت کی ہوگی تین سو دو پر جب آپ پہنچتے ہیں تو تین سو دو (۳۰۲) بات کرتا ہے' قانون سازی کی۔ یہ جس کے تحت ہماری اسمبلیاں وجود میں آتی ہیں اور اسے وہ کہتا ہے کہ لیجسلیٹو اسمبلی یعنی قانون ساز ادارہ ہے۔ ہم اس بات کو' اس دفعہ جو رٹ جا رہی ہے حکومت کی بحالی کے لئے' اس ضمن میں میں نے دوستوں کو کہا ہے کہ ہم اپنا پینل' الاخوان کے وکلاء کا پینل پیش کریں گے سپریم کورٹ میں کہ یہ ابہام دور کیا جائے سب سے پہلے کہ جب آئین نے حاکمیت اعلیٰ اللہ کو دے دی حاکم اعلیٰ اللہ نے اپنا قانون بنا کر ہمارے سپرد کر دیا اپنے رسولؐ کے ہاتھوں۔ تو پھر لیجسلیشن کی ضرورت کیسے باقی رہ گئی یہ دو باتیں ہمارے آئین میں کیسی ہیں دو میں سے ایک مٹنا چاہئے یا اس شق نمبر دو کو مٹا دو اللہ کی حاکمیت اعلیٰ ختم کر دو اور اگر اللہ کی حاکمیت اعلیٰ ختم نہیں کر سکتے تو پھر آپ کی اسمبلی اجتہاد کر سکتی ہے تشریح کر سکتی ہے وضاحت کر سکتی ہے قانون سازی نہیں کر سکتی قانون سازی اللہ نے کر کے دی ہے ہمیں جب آپ اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کا اقرار کرتے ہیں تو اللہ نے زندگی کا' فرد کی زندگی کا ایک خاندان کی زندگی کا ایک معاشرے کی زندگی کا ملک اور قوم کی زندگی کا' حکومت کا' سیاست کا' تجارت کا' معیشت کا' لین دین کا' زندگی اور موت کا ہر معاملے کا ایک آئین' ایک دستور' ایک لائحہ عمل بنا کر ہمارے سپرد کر دیا پھر ہمارے ہاں قانون سازی کی ضرورت تو باقی نہ رہی ضرورت باقی رہ گئی قرآنی احکامات کی تشریح کی' تفسیر کی' تعبیر کی' سنت کے حوالے سے' سلف صالحین کے حوالے سے' اکابرین کے حوالے سے' صحابہ کرامؓ کے حوالے سے' آئمہ مجتہدین کے حوالے سے' یا کسی کو آج جرأت ہے' علمیت آج اتنی ہے کہ وہ اجتہاد کر سکتا ہے تو وہ کرے تو اسمبلی اجتہاد کرے گی' اسمبلی تفسیر کرے گی' اسمبلی تشریح کرے گی' اور ذرہ آپ اپنی اسمبلی ممبرز کے نام لکھ کر انہیں گن کر پڑھیے کتنے مجتہد ہیں کتنے ان میں مفسر ہیں کتنے محدث ہیں کتنے فقیہ ہیں! اور کس طرح یہ شق جو اسمبلی کو لیجسلیٹو اسمبلی کہتی ہے قانون ساز ادارہ کہتی ہے یہ کالعدم قرار دی جانی چاہئے۔ ان کی رٹ جا رہی ہے اسمبلی بحال کرو ہم اس میں یہ بات کرنا چاہ رہے ہیں کہ اسمبلی کی کوئی قانونی حیثیت ہے ہی نہیں اس کی حیثیت ہی غیر قانونی ہے جب آپ اللہ کو حاکم اعلیٰ مانتے ہیں تو آئندہ کے لئے کوئی اسمبلی قانون ساز ہونی نہیں چاہئے اور جب وہ ادارہ ہی مفسرین کا' محدثین کا' فقہاء کا ہو تو پھر اس طرح کے لوگ اس میں آنے چاہئیں جو قرآن کی تعبیر کر سکیں جو قرآن کی تشریح کر سکیں جو حدیث کے حوالے سے فقہ کے حوالے سے متقدمین کے حوالے سے مسائل کے حل پیش کر سکیں آج کے جدید مسائل کو دین حقہ کی روشنی میں جو حل کرنے کی اہمیت رکھتے ہوں۔ یہ ہے تقاضائے ایمان۔ لیکن ہماری بد نصیبی یہ ہے کہ

ہم نے دین کو یا ایمان کو ایک ذاتی سا معاملہ سمجھا جب تنہائی میں بیٹھے اللہ کو پکار لیا فرصت ہوئی بھاگتے دوڑتے سجدہ کر لیا مزے کی بات یہ ہے کہ رضائے باری کے لئے کوئی تلاوت کرنا پسند نہیں کرتا رضائے باری کے لئے کوئی تسبیح کرنا پسند نہیں کرتا رضائے باری کے لئے کوئی نفل پڑھنا پسند نہیں کرتا جب تک تسبیح کے ساتھ کوئی دنیاوی حاجت نہ لگاؤ جب تک نوافل کے ساتھ کوئی دنیوی حاجت نہ لگائی جائے جب تک کسی سورت قرآن کے ساتھ کوئی دنیا کی حاجت نہ لگائی جائے قرآن کو پڑھنا پسند کوئی نہیں کرتا تو ایمان کہاں ہے اور مسلمان کس شعبے میں ہے یعنی ہم نے قرآن حکیم کو لائحہ عمل سمجھنے کی بجائے جنتر منتر کی کتاب سمجھ لیا ہے کہ کوئی ضرورت آئی فلاں سورت پڑھو فلاں آیت پڑھو اور مشکلات آگئی یہ چھوڑ دو وہ پڑھو وہ آگئی یہ چھوڑ دو وہ پڑھو یہ کوئی جادو کی یا منتر کی کتاب ہے یا آئین و دستور حیات ہے؟ زندگی کیسے بسر کرنی ہے وہ بتانے والی کتاب ہے تو یہ جملہ ہے تو چھوٹا سا **لا تدع مع اللہ الھاً اخر** لیکن اس کی تعبیر بہت بڑی ہے اور ساری زندگی کو ہمہ جہت ہر پہلو سے یہ احاطہ کر لیتی ہے اگر اللہ توفیق دے اور ہم جو عام آدمی ہیں ہم جو خود کو ظلم کی چکی میں پستا ہوا محسوس کر رہے ہیں ہم، جن کے منہ سے نوالہ تک چھینا جا رہا ہے ہم، جن پر ہر بڑے کی عیاشی کا بوجھ آ کر پڑتا ہے ہم، جن کے بچے پیدا ہوتے ہی مقروض ہوتے ہیں دنیا کے اور غیر ممالک کے ہمیں کیا یہ احساس و شعور نہیں کرنا چاہئے کہ ہم اپنی امیدیں بے دینوں اور بدکاروں سے ہٹا کر اللہ رب العلمین سے وابستہ کریں اور دیانت داری سے رائے دیں اور رائے دینے سے پہلے، الیکشن سے پہلے حکومت کو اس بات پر مجبور کر دیں کہ نوے دن میں الیکشن کرانا کیوں مجبوری ہے؟ حق یہ آئین میں ہے کہ اسمبلی توڑی جائے تو نوے دن میں الیکشن کرایا جائے ٹھیک ہے بھائی آپ کے آئین امناً و صدقناً لیکن کیا یہ آئین و دستور میں نہیں ہے کہ جو امیدوار سامنے آئے ان کے اوصاف کیا ہوں یہ بھی آئین میں موجود ہے دفعہ باسٹھ جو ہے آئین کی وہ یہ بتاتی ہے کہ امیدوار کی تعلیم کیا ہو اس کا کردار کیا ہو اس کا عقیدہ کیا ہو اور اس کے اعمال کیسے ہوں لوگ اس کے بارے کیا شہادت دیتے ہوں یہ کوئی پندرہ سولہ شقیں ہیں اس کی میں نے اس دفعہ کوشش کی ہے کہ اس پہ بات ہوتی رہتی ہے لیکن بتایا نہیں کسی کو جاتا تو میں نے کوشش کی ہے کہ اس دفعہ اس کی وضاحت المرشد میں آ جائے کہ اس میں کیا کیا وہ شرائط دی ہوئی ہیں وہ ساری وہ ہیں جو قرآن و سنت سے اخذ کی گئی ہیں سارے وہ اوصاف ہیں جو کسی کو ذمہ دار یا امیر بنانے کے لئے قرآن و سنت سے اخذ کی گئی ہیں سارے وہ اوصاف ہیں جو کسی کو ذمہ دار یا امیر بنانے کے لئے قرآن نے یا حدیث نے یا متقدمین نے مقرر کئے تھے قرآن و سنت سے لی گئیں تو اگر باقی سارا کام دستور کے مطابق ہونا ہے تو یہ بھی تو دستور ہے اس کو بھی نافذ کیا جائے۔

آپ اندازہ کیجئے طریق کار یہ ہوتا ہے کہ جو ملک کا آئین و دستور ہے اس پر دستور سازی کی جاتی ہے ایک جملہ دے دیا گیا کہ یہ کام ہونا چاہئے اب یہ کام کیسے ہو گا اس کے کرانے کا ذمہ دار کون ہو گا جو اس کے خلاف کرے گا اس کا جرم کتنا مانا جائے گا اس کی سزا کیا ہو گی اسے کس طرح منع کیا جائے گا یہ ساری ہوتی ہے قانون سازی، آئین ہوتا ہے جو ایک طے شدہ امر ہے قانون ہوتا ہے اس طے شدہ معاملے پر عمل کیسا کرایا جائے اور جو نہ کرے اسے سزا کیسے دی جائے اسمبلیاں یہ قانون سازی کرتی ہیں اور پھر یہ مقننہ کے پاس جاتا ہے وہ اس پر عمل درآمد کراتی ہے اس دفعہ باسٹھ اور تریسٹھ کا ذکر ہوا کبھی اس پر قانون بنانے کے لئے پچاس سال میں اسمبلی میں کبھی بات ہی نہیں ہوئی کوئی قانون آپ کے ملک میں موجود نہیں ہے کہ وہ اس پر عمل کرانے پر کسی

کو مجبور کرے یا جو نہ کرے اسے سزا دے۔ لیکن پہلے بھی اور جو حکومت برخاست ہوئی ہے اس کے تین سالوں میں بھی ہم نے یہ دیکھا کہ قانون سازی کی بجائے صدر صاحب سے آرڈی ننس ORDENENCE کرائے گئے اور حکومت کا کاروبار جو ہے وہ آرڈیننسوں پر چلتا رہا تو ایک آرڈی ننس اس دفعہ کے لئے بھی سہی اگر برس ہا برس نظام سلطنت آرڈی ننسوں کے سہارے چل سکتا ہے تو ایک آرڈی ننس اس دفعہ باسٹھ تریسٹھ پر عمل کرانے کے لئے بھی سہی صدر صاحب آرڈی ننس جاری کر دیں اور وہ آرڈی ننس مجبور کر دے لوگوں کو اس پر عمل کرنے کے لئے۔ تو اس میں انہوں نے ایک اور مزے کی بات رکھی ہے کہ ووٹ تو میں دوں آپ دیں لیکن اگر بندے میں وہ صفات نہ ہوں تو کوئی دوسرا امیدوار اس پر اعتراض کر سکتا ہے ووٹر نہیں کر سکتا کہ آپ اسے ووٹ دے سکتے ہیں ووٹ لینے سے روک نہیں سکتے کہ بھئی تم شرابی ہو تم نہیں لے سکتے یا تم زانی ہوں یا تم بددیانت ہو یا تم فاسق فاجر ہو یا تم دھوکے سے فلاں کا مال کھا گئے تم نے فلاں کو قتل کر دیا تمہارا یہ کردار ہے وہ ہے آپ ڈاکو ہو یہ نہیں کہہ سکتے یہ کیوں؟

یہ اختیار بھی ہر شہری کو حاصل ہونا چاہئے کہ اگر اسی کے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت ہے تو وہ الیکشن کمشن کے سامنے پیش کرے اور ثابت کرے کہ یہ شخص باکردار نہیں ہے ان سے امید کم رکھتا ہے اس لئے کہ ان کی پرورش ہی اس نہج پر ہوئی ہے اس ملک کی بدمعاشی یہ ہے کہ اس پر انگریز نے غاصبانہ قبضہ کر لیا بدمعاشی سے 'بے دینی سے' بدکاری اور عیاری سے اور اس ملک کی بدقسمتی یہ ہے کہ یہاں بے شمار غدار پیدا ہوئے ہر عہد میں میر جعفر اور میر صادق اس کی تاریخ کا حصہ رہے اور انگریزوں نے انہیں خرید کر اس ملک کی قسمت پر اپنی مہر لگا دی اس پر قبضہ کر کے بیٹھ گئے اور بڑے مزے کی بات ہے کہ پوری دنیا میں اس کے شہریوں کو قربانی کا بکرا بنا کر مروایا گیا دونوں عالمی جنگوں میں اس کے سارے شہریوں کو جبراً فوج میں لے جا کر مروایا گیا روئے زمین پر اس کا قبضہ برقرار رکھنے کے لئے انگریز نے ایک طبقہ پیدا کیا میر جعفروں اور میر صادقوں اور غداروں کا اس طبقے کو جاگیروں سے نوازا خطابوں سے نوازا وہ سر' وہ خان صاحب' وہ ارباب اور وہ خان بہادر کہلائے انہیں اعزازی رینک دیئے گئے میجر' کرنل آرمی کے اور انہیں جاگیریں دی گئیں۔

جانوروں سے بھی بدتر زندگی گزارنے پر مجبور کر دیئے گئے۔ کسی جاگیر میں کوئی پرائمری سکول بھی نہیں ملتا تھا اور جاگیردار کے بچوں کے لئے بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے جدید سکول بنائے گئے جیسے ایچی سن لاہور یا لارنس کالج یا ایبٹ آباد میں برن ہال جیسے سکول بنائے گئے اور یہاں سے جب وہ نکلتے پھر انہیں یورپ اور امریکہ کے اعلیٰ درجے کی یونیورسٹی اور انسٹی ٹیوشن Institution میں داخلے مل جاتے اور وہاں سے پڑھ کر جب وہ واپس آتے تو آپ کی سروسز میں آفیسر بھی وہی ہوتے آپ کی اسمبلیوں کے ممبر بھی وہی ہوتے اور آپ کے ایوان سلطنت میں شاہ اور وزیر بھی وہی ہوتے جب انگریز کی حکومت گئی ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے انگریز کو سلامی دے دے کر رخصت کیا آزادی سلامی دینے سے نہیں ملتی آزادی جان کی قربانی دینے سے ملتی ہے اگر ہم ملک آزاد کراتے تو انگریز کے لاشے بحیرہ عرب میں پھینکتے اور مچھلیوں کی خوراک بنتے انہیں واپس بھاگنے کا موقع بھی نہ ملتا ہم ان سے ملک چھینتے وہ جاگیریں چھینتے جو انہوں نے غداروں کو دی تھیں جو ملکی معیشت کا حصہ بنتیں جاگیردار کو بھی انگریز کے ساتھ بحیرہ عرب میں پھینک دیا جاتا تب یہ زمین پاک ہوتی اور اس نجاست سے ہماری اور اس زمین کی جان چھوٹتی لیکن ایسا نہ ہوا انگریز سلامی لے کر چلا گیا اور باگ ڈور جاگیرداروں کے

سپرد کر کے ہماری قسمت ان کے رحم و کرم پر چھوڑ گیا تب سے اب تک پچاس سالوں میں الا ماشا اللہ اکثریت انہی جاگیرداروں کی ہم پر مسلط چلی آرہی ہے جن کا کردار اتنا بھیانک ہے کہ ان کا نام لینے سے اگلے کو گالی لگتی ہے کسی کو کھر کہہ دو تو وہ سمجھتا ہے اس نے مجھے گالی دی ہے کسی کو جتوئی کہہ دو سندھ میں تو وہ سمجھتا ہے کہ اس نے مجھے گالی دی ہے اس نے میری بے عزتی کی ہے لیکن وہ مجبور لوگ جو ان کی زمینوں پر بیٹھے ہیں وہ مجبور ہیں کہ وہ پھر سے اس نظام کے تحت انہیں ووٹ دیں اور وہ پھر سے ایلکٹ ہو کر اسمبلیوں میں آئیں اور پھر اس ملک کی تقدیر کے مالک بن جائیں اگر یہ ملک آزاد ہی ہے اگر نگران حکومت ہی یہ کارنامہ سرانجام دینا چاہتی تو ہمارے صدر مملکت بھی بہت بڑے جاگیردار کے بیٹے ہیں والشیلی انگریز کی دی ہوئی جاگیریں واپس لے لی جائیں کوئی آئین بھی نہ بنائے میں دیکھتا ہوں انہیں ووٹ کون دیتا ہے اور یہ کیسے اسمبلی میں آتے ہیں ان سے تو مزدوری کر کے دو وقت کی روٹی نہیں کمائی جا سکتی یہ تو کسی کے خون پہ پلنے والی جونکیں ہیں اور اگر حکمران ایسا نہیں کریں گے تو پھر یہ عمل فطری طور پر ہو گا تھکے ہوئے لوگ مظلوم لوگ درماندہ لوگ اور حقوق سے محروم لوگ جب کھڑے ہو جائیں گے تو پھر وہ ان سے جاگیریں بھی چھینیں گے ان کے نیچے سے کرسیاں بھی نکالیں گے اور ان کے پیٹوں کو پھاڑ کر اور لوٹی ہوئی دولت کی پائی پائی نکال کر قومی خزانے میں رکھ دیں گے شاید وہ وقت ان حکمرانوں پر بھی کڑا آ جائے شاید وہ وقت آج کے سفید پوشوں کو بھی مشکل لگے اور شاید وہ وقت ملک کی زمین کو اتنا رنگ دار کر دے انسانی خون سے کہ پھر انہیں مدتوں وہ خون دھونے میں بسر ہو جائے سو سیدھا راستہ یہ ہے کہ ہم چھوٹے بڑے سب ووٹر ووٹ دینے والے اور ووٹ لینے والے اپنی امیدیں اللہ پر وابستہ کریں تو کم از کم اپنا ووٹ دیتے وقت ہی یہ یاد رکھو مجھے الیکشن میں کھڑا نہیں ہونا مجھے کسی کو کھڑا نہیں کرنا میں اس نظام ہی کے خلاف ہوں اور میرا مسلک یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ تم میں سب سے بڑا جھوٹا وہ ہے جو حاکم بننے کا طلب گار ہو جو حکومت طلب کرتا ہے سب سے بڑا جھوٹا وہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد برحق ہے حکومت کا حق اس کو ہے جس کو معاشرہ یا قوم پکڑ کر کہے کہ تجھے یہ ذمہ داری قبول کرنا پڑے گی

یہی تو کام کا وقت ہے

یہ وہ زمانہ ہے کہ آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایسے وقت میں) غربائے اہل اسلام کو بشارت دی ہے نیز فرمایا ہے کہ:

"زمانہ فتنہ میں عبادت کرنا ایسا ہے جیسا کہ میری طرف ہجرت کرنا"

تم کو معلوم ہے کہ غلبہ فتنہ و فساد کے وقت سپاہی اگر تھوڑی سی بھی جرات کرتے ہیں تو (بادشاہ کے دل میں) بہت کچھ وقعت پیدا کر لیتے ہیں۔ امن و امان کے وقت اگر ہزار دوڑ دھوپ کریں بے اعتبار ہے پس کام کرنے اور کام کے قبول ہونے کا وقت یہی ہے جو فتنوں کا وقت ہے اگر چاہتے ہو کہ (قیامت میں) مقبولان خدا میں محشور ہو تو مرضیات حق تعالیٰ کے لئے اپنی تمام مرضیات سے دست بردار ہو جاؤ اور سنت سنیہ کے متابعت کے علاوہ کسی چیز کو اختیار نہ کرو۔

(دیکھو) اصحاب کہف، غلبہ فتنہ کے وقت صرف ایک عمل ہجرت سے اتنے اونچے درجے کو پہنچ گئے تم تو محمدی ہو اور داخل خیر الامم ہو تم اپنے وقت کو لہو ولعب میں ضائع نہ کرو اور بچوں کی طرح معمولی چیزوں کی طرف متوجہ نہ ہو۔

دادیم ترا ز گنج مقصود نشاں
گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

(مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ)

جو خود اس کے لئے اربوں روپے لگا کر لوگ خرید کر حاکم بنا چاہتا ہے اس میں دیانت امانت یا نیکی کا وجود نہیں ہوتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سب سے بڑا جھوٹا وہ ہے جو خود حاکم بننے کا طلب گار ہے جو حکومت طلب کرتا ہے۔ تو میں الیکشن میں نہیں آ رہا نہ مجھے کسی سے ووٹ لینے ہیں میری گذارش یہ ہے کہ ووٹ اس کو دو جس کے لئے آپ کو یہ اعتقاد ہو کہ کل فردہ قیامت مجھے شرمندگی نہیں ہو گی۔ میری بلا سے وہ پیپلز پارٹی ہے یا مسلم لیگ ہے یا وہ جماعت اسلامی ہے یا وہ جمعیت علمائے اسلام ہے مجھے کسی سے کوئی غرض نہیں ہے اس کو ووٹ دو جسے آپ سمجھ رہے ہوں کہ اللہ کی رضا کے لئے میں اسے دے رہا ہوں کہ یہ دیانت دار ہے یہ نیک ہے یہ مخلص ہے یہ عالم ہے جب آپ اس بات پہ آئیں گے تو آپ کو تقاضا کرنا پڑے گا حکومت سے کہ یہاں تو سارے بے ایمان ہیں یار کسی شریف آدمی کو بھی سامنے لاؤ پھر آپ کو خود کہنا پڑے گا کہ آئین کی وہ شق اس پر عمل کیوں نہیں ہوتا جس میں کہا گیا ہے کہ ایسے ایسے آدمی آنے چاہئیں اور یہ ایمان ہے تقاضائے ایمان ہے **و لا تدع مع اللہ الہاً اخر** اللہ پر اپنی امیدیں رکھو اور اللہ کے سوا کسی پر اس طرح کی امید وابستہ نہ کرلو جو اللہ کو سزاوار ہے اس لئے کہ **لا الہ الا ھو** اس کے کے علاوہ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کی اس طرح کی غلامی کی جائے جس طرح اللہ کی اطاعت کی جاتی ہے **کل شیئٍ ھالکٌ الا وجھہ** ہر چیز موت کے گھاٹ اترنے والی ہے نہیں ہے باقی کسی کی ذات اپنے حال پہ رہنے والی نہیں ہے اور یہ بھی یاد رکھو۔ **لہ الحکم** ہوتا وہی ہے جو وہ چاہتا ہے بندہ سارے حیلے کر لے سارے زور لگا لے ساری چالاکیاں کر لے ہوتا وہی ہے جو وہ چاہتا ہے کہ حکم اس کو سزاوار ہے۔ **والیہ ترجعون** اور ہر ایک کو واپس اس کی بارگاہ میں جواب دینا ہے۔

([illegible] ۱۱ [illegible] ۱۹۹۶ء)

نشانیاں

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

(دیکھو) زمین میں الگ الگ خطے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، انگوروں کے باغ ہیں، کھیتیاں ہیں، کھجور کے درخت ہیں، بعض میں بہت سی شاخیں ہوتی ہیں اور بعض میں کم۔ (حالانکہ) سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے مگر پھر بھی مزے میں ہم ان پھلوں میں سے ایک کو دوسرے پر فوقیت دیتے ہیں بے شک ان سب چیزوں میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو عقل سے کام لیتے ہیں ○

سورہ رعد (13) ...... ترجمہ آیت 4

قرآنی آیات اور احادیث نبوی کا احترام آپ پر لازم ہے

آوازِ حق

غلام مصطفیٰ ملک

آج جس معاشرے اور فضا میں ہم سانس لے رہے ہیں۔ اور جس پر آشوب دور سے گزر رہے ہیں ایک صاحب عقل حساس انسان اس کی گھٹن اور سمومیت کا احساس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسلام دشمن طاقتیں اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ اسلام اور مسلم سے نبرد آزما ہیں۔ تمام مسلمان ممالک پر طاغوتوں کی حکومتیں ہیں اور مسلمان اپنے ان مجازی آقاؤں کے ہاتھ کھلونا بنے ہوئے ہیں۔ ان آقاؤں نے نہ صرف ہمیں طوق غلامی پہنایا...... بلکہ ہمارے اسلام کی عطا کردہ جاگیر دینی عزت و حمیت اور جذبہ جہاد پر بھی کاری ضرب لگائی.... ہمارے ان ناخداؤں نے جن کے ہاتھ میں ہم نے اپنے ملک و قوم کی ناؤ کے چپو تھما دیئے ہیں۔ انہوں نے ہمیں ایمان، وایقان وادعان کے سمندر سے نکال کر مادیت پرستی اور ہوس پرستی کی دنیا پہ لا کھڑا کیا ہے۔ جہاں دل کے چراغوں سے نکلنے والی بصیرت کی روشنی ماند پڑنے لگی ہے بلکہ ایمان ایک ٹمٹماتی لو کی مانند پھڑپھڑا رہا ہے۔ اپنے مالک و خالق سے ہمارا ناطہ ٹوٹ رہا ہے۔ ان ناخداؤں نے ہم سے ہمارے جذبوں کی تجلیاں لوٹ لی ہیں.... اور ہمارے پر کاٹ کر خوبصورت سنہری پنجرے میں بند کر دیا ہے وہ تہذیب جسے ہم نے ترقی کا نام دے رکھا ہے۔ حلانکہ ہمیں جان لینا چاہئے کہ چاند پر کمندیں ڈالنے والی، نسل انسانی کی تباہی کے لئے ایٹم بم بنانے والی اور انسانیت سوزی کے لئے ہر حربہ استعمال کرنے والی قوم کا ہر فعل ترقی نہیں ہوا کرتا۔ ترقی دراصل اپنے ہدف کی طرف پیش قدمی کا نام ہے نہ کہ مغرب کی تقلید کا۔ مسلم و مومن کی ترقی کا ہدف اس کے مالک و خالق کی رضا اور خوشنودی کا حصول ہے نہ کہ مغربی آقاؤں کی اطاعت۔ جس نے ہمارے لئے اصول پرستی کی جگہ موقع پرستی و خود غرضی عسکریت کی جگہ بزدلی اور آرٹ پرستی پیدا کی تمام ذرائع ابلاغ کے دروازے اس مقصد کے لئے کھول دے کہ روح محمد صلی اللہ و علیہ وسلم ان کے جسم سے نکال دو۔

مسلمانوں کو تہذیب کا درس دینے کے لئے برے کاموں کے لئے اچھے ناموں کا استعمال.... مذموم مقاصد کے لئے حسین اصطلاحات کی تراش۔ دوسروں کو غلام بنا کر انہی کے تحفظ اور مفاد کا ڈھونگ رچانا مغربی طاقتوں

کا شعار ہے۔ آزادی کے نام پر دوسروں کو حقیقی آزادی سے محروم کرنا... تہذیب و تمدن کے نام پر تہذیب و اخلاق کی تمام اقدار کو پامال کرنا۔ تعلیم کے نام پر علم کی شمعوں کو گل کرنا، ترقی کے نام پر سرمایہ حیات کو لوٹ لینا... امن کے نام پر ملک اور قوموں کو تاراج کرنا۔ مضبوط حکومت کے نام پر حقوق انسانی کو روند ڈالنا۔ یہی سامراج کی تاریخ ہے... ایسے سامراج کو ہم نے مسیحائی کا تاج پہنایا ہوا ہے اور جس کا پس خوردہ ہم کھا رہے ہیں.... جس کی اخلاقی قدروں سے گہری گندی اور گھناؤنی تہذیب کو ہم بڑے فخر سے اپنا رہے ہیں۔ جیسے کہ یہی ترقی کی معراج ہے۔ ہمیں جان لینا چاہیے۔

ان عیاروں ان روشن خیالوں ان ناخداؤں کا ہر فعل ترقی نہیں ہوا کرتا۔

بلکہ یہ وہی تہذیب ہے جس نے ہماری آنکھوں سے حیا کی چلمن نوچ لی ہے۔ جس نے حوروں کے تقدس کو پامال کیا اور ان کی خوبصورتی کو طشت ازبام کیا۔ جس نے عفت و عصمت کے پیکر حوا کی بیٹی کے آنچل اچک لئے۔ اور اس کی زلف گرہ گیر کا نیلام اٹھایا۔ جس نے عورت کو تخت ملکہ سے گرا کر جانوروں کی صف میں لاکھڑا کیا۔ وہ آج اپنی پیٹ کی آگ بجھانے کی خاطر رکشہ کھینچتی اور اینٹ گارا ڈھوتی ہے۔ وہ گھر کا چراغ.... وہ روشنی کا مینار... جس کی روشنی اس کی گود سے اٹھتی تھی اور پوری دنیا کو منور کرتی چلی جاتی تھی۔ آج خود اندھیروں میں بھٹک رہی ہے۔ وہ محبت اور بے لوث خدمت کی حور جو زندگی کو تھکا دینے والے سفر اپنے جسم ناتواں سے انتھک جذبوں کے ساتھ طے کر رہی تھی اپنے رب کی رضا کے لئے..... اس کے نازک کندھوں پر آج تہذیب نو کے ان ناخداؤں نے ..... روشن خیال مسلمانوں نے سیکولر عیاروں نے۔ ترقی پسندوں نے معاشی ذمہ داری کا قلاوہ بھی اپنی گردن سے اتار کر ڈال دیا ہے اور عورت کو اپنے جنسی تسکین کے علاوہ معاشی مشین کا کل پرزہ سمجھ لیا ہے۔ کہ اس گھناؤنی سازش کو "آزادی نسواں" "مساوات" مردوں کے ریشمی لبادہ میں پیش کیا ہے۔ اور اپنی مکمل ذمہ داری اس کمزور جسم پر ڈال دی ہے۔ جس کی ساخت اللہ رب العزت نے محض اس کی ذمہ داریاں نبھانے کے لئے اٹھائی ہے۔ وہ آج کلبوں کی زینت ہے! تفریح گاہوں کا کھلونا ہے! اس حوا کی بیٹی کے عفت ماب پیکر پر کتنی ناپاک نگاہوں کی چھاپ لگی ہے۔

ذرا سوچئے تو سہی عورت اور مرد کی مساوات کا کھوکھلا نعرہ کس ادب میں نمودار ہو رہا ہے؟ یہ ہم کدھر جا رہے ہیں؟ آج اس نئی تہذیب کے متوالوں کی خدمت میں مغربی معاشرے کی ایک گھناؤنی تصویر رکھتا ہوں۔-- آپ بھی پڑھئے۔ آج سے گیارہ سال کا پرانا اخبار لاہور کا نوائے وقت تاریخ بھی نوٹ کر لیں ۴ دسمبر ۱۹۸۵ء کا نوائے وقت لاہور" اپنی اشاعت میں لکھتا ہے "ہر سال امریکہ میں دس لاکھ کم عمر لڑکیاں مائیں بن جاتی ہیں۔ ایسے حاملہ لڑکیوں کی عمر ۱۸ سال سے کم ہوتی ہے۔ ان میں تین لاکھ لڑکیوں کی عمر پندرہ سال سے بھی کم ہوتی ہے۔ ۷۵ فیصد لڑکیاں ناجائز بچے جنم دیتی ہیں۔ جب کہ ۲۵ فیصد مانع حمل طریق کے علاج سے بچ نکلتی ہیں"۔ یہ تو گیارہ سال کا پرانا اخبار تھا۔ روزنامہ جنگ راولپنڈی جون ۱۹۹۶ء کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ "امریکہ کے اندر بے حیائی عروج پر ہے اور تقریباً ہر دوسری لڑکی ناجائز بچے کو جنم دیتی ہے"۔ اس سے ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ جس مغربی تہذیب کے پیچھے ہم اندھا دھند بھاگے جا رہے ہیں۔ وہ راہ جہنم کے کس گہرے گڑھے کو جاتی ہے "حضرت جی مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی صاحب۔ اپنے تیسرے شعری مجموعے "متاع فقیر" میں "برتھ ڈے" کے عنوان سے لکھتے لکھتے اس مغربی تہذیب و تمدن کے بارے میں خوب لکھتے ہیں۔

عقد کرتے ہی نہیں جو عمر بھر
پیدا ہو جاتے ہیں (بچے) یہ ان کے بھی گھر

آخر میں ارشاد فرماتے ہیں۔

مغربی تہذیب کی نقالیاں
کر رہی ہیں دہر میں بدحالیاں

اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ جب بھی انسان قانون فطرت کے خلاف دو چیزوں کو غلط ملط کر دیتا ہے تو وہ اپنے وجود کی پہچان کھو دیتی ہیں۔ حدود وقیود کا احساس مٹ جاتا ہے۔ حیا کے لباس اتر جاتے ہیں۔ مذہبی تشخص مجروح ہو جاتا ہے ضمیر کی صدا صدائے باز گشت بن جاتی ہے۔ خوف خدا اور خوف آخرت تحلیل ہو جاتا ہے اور پھر وہ تمام راہیں کھل جاتی ہیں۔ کہ جن پر سرپٹ دوڑتا انسان بغیر کسی رکاوٹ کے اندھیرے میں جا گرتا ہے۔ جہاں سے نکل کر پلٹنا اس کے بس کا روگ نہیں رہتا۔

کیا ان مغربی طاقتوں کا ان سپر پاوروں کی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ انتہائی گھناونا اور مہیب نہیں ہے؟۔ وہ کیا مسلمانوں کی تمام پونجی کو لوٹ لینا نہیں چاہتے؟ کیا وہ مسلمانوں کو معاشی، معاشرتی، تعلیمی، اخلاقی اور اقتصادی لحاظ سے اتنا کمزور نہیں کر دینا چاہتیں کہ مسلم ممالک بغیر کسی مزاحمت کے تر نوالہ بن جائیں؟ کفر نے کسی طرح ہمیں اپنے عزائم کی تکمیل کا ہتھکنڈہ بنا کر رکھا ہے؟ اور ہم کٹھ پتلی بنے اس کے اشارۂ آبرو پر ناچ نہیں رہے؟ کیا ان مغربی آقاوں نے روحانی جسمانی صحت کی تباہی کے لئے مذہب بیزاری اور امراض خبیثہ کے جراثیم ودیعت نہیں کیے؟۔

اقتصادی و معاشی وحشت پھیلانے کے لئے صوبائی اور قومی املاک کا نقصان اور جانی و مالی ضیاع کا تحفہ مسلمان کی اتحاد کشی کے لئے لسانی صوبائی اور قومی فرقہ واریت و تعصب ان سپر پاوروں کا طرہ امتیاز ہے۔ انہوں نے تمام مسلمان ممالک پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے میرے خیال میں اس کی صحیح عکس بندی مولانا اکرم اعوان مدظلہ عالی کی وہ مشہور نظم "میرا راستہ موت کا راستہ ہے" کا ایک بند ہے جس میں وہ فرماتے ہیں۔

وہ کشمیر ہو یا فلسطین دیکھو
مسلمان کے خون سے ہے رنگین دیکھو
تم ہرزے گو وینا کی زمین دیکھو
جزیرہ ہو یا کالجی تیں دیکھو
ہر اک جا پہ مسلم کا خون بہہ رہا ہے
کہاں ہیں مجاہد؟ یہی کہہ رہا ہے

مجاہدوں کو تو للکارا جا رہا ہے۔ ان کو تو میدان عمل میں آنے کی دعوت دی جا رہی ہے لیکن میرا مسلمان کہاں سو گیا۔ کہاں کھو گیا۔ کہاں رہ گیا۔

اے ارض پاکستان کے غریب باسیو۔ دہشت گرد بھارت، پاکستان کا مسلمان کا ازلی دشمن دونوں جبڑے کھولے۔ بازو پھیلائے غضب ناک نگاہوں سے پاک سر زمین کو دیکھ رہا ہے۔ ہاں ہاں۔ اس پاک سر زمین کو جو کلمہ طیبہ کے نام پر معرض وجود میں آئی۔ جو صرف اسلام کے عملی قیام کے لئے وجود میں لائی گئی تھی۔

ہمارے اس وطن عزیز کی عمارت لاکھوں شہیدوں کی لاشوں پر استوار کی گئی۔ اس کی بنیادوں میں بقول حضرت جی مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ عالی (خطبہ جمعہ ۹ اگست ۱۹۹۶ء) پاک جذبوں سے سرشار غریب مجاہدوں کے لہو کا نذرانہ پیش کیا گیا اس کی بنیادوں میں اس کے حصول میں سہاگ لٹے۔ آنچل نچے، عصمتیں تار تار ہوئیں۔ شیر خوار بچوں نے اپنے نذرانے چڑھائے۔ آج لاکھوں شہیدوں کا لہو ہمارے خلاف مقدمہ دائر کیے ہوئے ہے۔ آج پاکستان کی تاریخ کو ۴۹ سال بیت چکے ہیں یہ ملک اور قوم کی تاریخ کے گراں مایہ سال ہم نے ان سالوں میں اپنے ملک میں اسلامی حکومت کے قیام کے لئے کتنی کوششیں کیں؟ کیا جس طرح مسلمانوں کا استحصال کرنے میں کفر کفر متحد و منظم ہے اس طرح مسلمانوں نے اپنا دفاع کیا؟ کیا ہم اس کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کے کھڑے ہوئے؟ کیا ہم نے اپنا "

نظریہ" اپنے جان و مال سے زیادہ عزیز رکھا؟ اس سوال کا جواب کون دے۔ جب کہ اس ملک و قوم کی عمارت کو سنبھالا دینے والوں نے خود اس کے در و دیوار میں سوراخ .. کر دیئے ہیں جو بے راہ روی الحاد پرستی۔ اور تہذیب نو کے جھکڑوں کی یلغار کو روکنے میں ناکام ہو رہے ہیں۔

"تو پھر مجھے کہنے دو"۔

کہاں ہیں آج وہ شاہل۔ محمد علی جوہر' سلطان ٹیپو' جن کی ہیبت سے سپر پاورز کے در و بام لرز اٹھیں' کہاں ہیں محمد بن قاسم' سلطان محمود غزنوی جو ہندوستان کی مکاری عیاری کے سومنات کو زمین بوس کر دیں۔

کہاں ہیں وہ مجاہدات جن کی گودوں کے جیالے قوموں کی تقدیر بدلنے کی استعداد رکھتے ہیں؟ کہاں ہیں وہ عشاق جو دشمن دیں کی جاہ کے بتوں کو پارہ پارہ کر دیں؟ اور ان کو منہ کے بل گرا دیں آج کون صلاح الدین ایوبی جیسے مرد یکتا۔ دلاور مجاہد کو تعمیر کرنے کا اعزاز حاصل کر لے کہ عیسائیت و یہودیت کی چیرہ دستیوں کا دندان شکن جواب دے سکیں؟ کون آئے جو کشمیر اور بھارت میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم۔ فلسطین اور بوسنیا میں یہودیوں کی چیرہ دستیوں۔ چیچنا میں روسیوں کے مسلمانوں پر لرزہ خیز مظالم۔ فلپائن اور انڈونیشیا میں مسلمانوں پر ہونے والی درندگی اور جنوبی افریقہ میں ہونے والے فسادات کا منہ توڑ جواب دے؟۔

کہاں ہیں وہ گوہر نایاب جو اس تشنہ لب دھرتی کو سیراب کرنے کے لئے اپنے معمولی وجود کو بھی ہیچ نہیں سمجھتا؟ اور زمین کی پیاس بجھانے کے لئے سب سے پہلی قربانی پیش کر کے اپنے پیچھے آنے والوں کے لئے نشان راہ بن جاتا ہے؟۔

صد آفرین ایثار کی داستان مرتب کرنے والوں پر۔

اور آج ہمیں اپنا بھولا ہوا سبق یاد کرنا ہو گا۔ ان جسموں میں ایمان و ایقان کی روح پھونکنی ہو گی۔ اپنی زندگیوں کا دھارا حقیقی مقصد کی طرف موڑنا ہو گا۔ وہی

ضرورت رشتہ

سلسلہ کے ایک پرانے ساتھی کی بیٹی کے لئے رشتہ درکار ہے۔ بیٹی کی تعلیم ایف اے۔ ہر قسم کی کشیدہ کاری' لباس کی کٹنگ اور سلائی میں ماہر' فیبرک پینٹنگ اور پاکستانی انگلش اور چائنیز کھانوں میں مہارت اور فینسی ووڈ ورکس اور بیوٹیشن کے کورسز کئے ہوئے ہیں رشتہ کے مناسب ساتھی اعتماد اور تفصیل کے ساتھ لکھیں۔

رابطہ کے لئے: محمد نوید' معرفت ایڈیٹر الرشد' او۔سی ہاؤسنگ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ' لاہور

مقصد جو اس جسم و جان کے مالک و خالق نے ہمیں عطا فرمایا ہمیں ان سانسوں کا قرض اتارنا ہو گا جو ہماری نہیں جن کے بارے میں ہم سے سوال کیا جائے گا۔ جو وقت بیت گیا اس کو اشک ندامت سے دھویا جا سکتا ہے۔ وقت جو آنے والا ہے اس کا علم سوائے خدائے بزرگ و برتر کے کسی کو نہیں۔ بس جو سانس آ رہی وہی کام کرنے کی مہلت ہے۔

آیئے اس فریضہ عظیم کی ادائیگی کے لئے اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں۔ ایک خدا۔ ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ایک قرآن پاک' ایک دین' دین حق کی بنیادوں پر زندگیوں کا ناقابل تسخیر۔ ناقابل فنا قلعہ تعمیر کر لیں۔ آیئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔ اپنے آپ کو سنوار لیں۔ اپنے بچوں اپنے گھر والوں کو سنوار لیں۔ اپنے معاشرے کو اسلامی نظام حیات سے آراستہ کر دیں۔ کہ پھر کسی کو سر زمین پاک پر رہنے والے مسلمانوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرات نہ ہو۔ اور اللہ کی زمین مومنوں کی ملک اور اسلام نام لیواؤں کے لئے وسیع تر ہو جائے۔ (آمین)

برکات اہل اللہ

مولانا محمد اکرم اعوان

حضورؐ کی نبوت جب تک دنیا قائم ہے تب تک اسی طرح ضوفشاں ہے جس طرح آپؐ کی بعثت ہے۔ حضورؐ سے جو فیوضات و برکات تقسیم ہوئیں ان میں آپؐ کے ارشادات ہیں جو علم کی بنیاد ہیں علم ہی سے ایمان بنتا ہے علم ہی سے عقیدہ بنتا ہے اور علم ہی عمل کی بنیاد بنتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ حضورؐ سے برکات تقسیم ہوئیں جنہیں لفظوں میں بند نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ وہ کیفیات تھیں جو ایمان لانے والوں کے دلوں پر وارد ہوئیں اور انہیں ہمیشہ کے لئے منور اور روشن کر گئیں۔ کامل مسلمان وہی لوگ تھے جنہیں دونوں طرح کے فیوضات و برکات اور دونوں طرح کے فیضان نصیب ہوئے اور پھر بہت بڑا مقام ان کا یہ ہے کہ انہوں نے یہ دونوں چیزیں براہ راست نبیؐ سے حاصل کیں اور یہ بہت بڑی بات ہے۔ لیکن جب حضورؐ کی نبوت قائم ہے تو آپؐ کی برکات بھی اور آپؐ کی تعلیمات بھی بدستور قائم ہیں۔

جس چیز کو نبی رحمتؐ نے حلال قرار دے دیا ہے آپؐ کے بعد کوئی شخص حرام نہیں کر سکتا۔ عقائد و اعمال میں جو کچھ حضورؐ نے فرما دیا ہے وہی حرف آخر ہے آجکل کا ایک نیا فتنہ یہ بھی ہے کہ ہر بات کو لوگ لے اڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن سے دکھایئے لیکن سوچنا یہ چاہئے کہ قرآن کس کے حوالے سے ہم تک پہنچا اور کس نے بتایا کہ یہ قرآن ہے کس زبان سے ہم نے سنا۔ قرآن حکیم کی حیثیت یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ نازل ہوا اس کا سننا صرف نبیؐ پر موقوف ہے۔ کوئی بھی دوسرا شخص نزول وحی کا اس حال میں گواہ نہیں کہ جو کہہ سکے کہ میں بھی سن رہا تھا کہ یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی۔ کوئی ایسا شخص موجود نہیں جو یہ کہہ دے کہ جب فرشتہ نازل ہوتا تھا وحی لے کر تو میں فرشتے کو دیکھتا تھا پہچانتا تھا اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ وہ واقعی جبرائیل امین ہی ہوتا تھا یعنی قرآن حکیم سارے کا سارا حضورؐ کا ارشاد فرمایا ہوا ہے اور اس بات پر بھی حضورؐ ہی کا ارشاد دال ہے کہ اس کے الفاظ بھی منزل من اللہ ہیں یعنی یہ بھی حضورؐ ہی نے بتایا ہے کہ یہ الفاظ قرآن ہیں اور یہ الفاظ میرے نہیں ہیں براہ راست اللہ جل شانہ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں وہی ہستی جب قرآن شریف کی شرح اور اس کا معنی اور مفہوم بیان فرماتی ہے تو وہ حدیث کہلاتی ہے اور حدیث پاک میں جتنے احکام شرعی وارد ہوتے ہیں ان میں حضورؐ اپنی پسند سے کوئی چیز شامل نہیں فرماتے۔

ما ینطق عن الھوی نطق ہوتا ہے ذرہ بھر کوئی آواز پیدا کرنا زبان سے۔ **ان ھو الا وحی یوحی** وہ بھی وحی الٰہی ہے یہ بھی وحی الٰہی ہے۔ فرق یہ ہے کہ قرآن حکیم کے الفاظ بھی اللہ کی طرف سے نازل ہوئے اور حدیث پاک کا مفہوم اللہ کی ہی طرف سے نازل ہوا الفاظ نبی کریمؐ کے ہیں۔ لیکن یہ بات بھی حضورؐ نے بتائی ہے تو اب اس بات کو لے کر بیٹھ جانا کہ قرآن حکیم ہی سے ثابت کرو یہ درست نہیں ہے بلکہ خود قرآن کی شرح اور معنی حدیث پاک کے بغیر متعین کرنا بے دینی ہے۔ وہی معنی ہوگا جو نبیؐ نے ارشاد فرمایا پھر صحابہؓ نے اس کے مطابق عمل کیا حضورؐ نے اس عمل کی تصدیق فرمائی۔

جس طرح آپؐ کی تعلیمات ہی حرف آخر ہیں اور آپؐ کی تعلیمات جاری و ساری ہیں اور تلاش کرنے والوں سے چھپ کر نہیں رہتیں۔ اسی طرح حضورؐ کی برکات بھی جاری و ساری ہیں۔ انبیاءؑ کی برکات جب لوگوں کے سینوں سے سلب ہو جاتی تھیں تو لوگ دین داری چھوڑ دیتے تھے بے عمل ہو جاتے تھے عقائد تباہ ہو جاتے تھے جب عقائد جاتے تو برکات اٹھ جاتیں جب برکات اٹھ جاتیں تو پھر کوئی نہ کوئی نیا نبی مبعوث فرما دیا جاتا تھا از سر نو پھر ایک لہر آ جاتی تھی برکات کی لوگوں کے دلوں کو سیراب کرنے کے لئے۔

ہیں اس طرح حضورؐ کی برکات بھی موجود ہیں۔

تعلیمات کے لئے جس طرح ہمیں مدارس اور جس طرح اداروں اور جس طرح اساتذہ اور جس طرح معروف حضرات کی خدمت میں حاضر ہونا پڑتا ہے محنت اور مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح حصول برکات کے لئے حاملین برکات کے پاس ان کی خدمت میں حاضر ہونا پڑتا ہے مجاہدہ کرنا پڑتا ہے محنت کرنی پڑتی ہے اور یہ جو خانقاہیں یا ہمارے ہاں تصوف کے ادارے چلے آرہے ہیں ان سب کا مقصد اور ان سب کا دائرہ عمل یہی ہوتا ہے اب یہ اور بات ہے کہ شومئی قسمت سے کوئی جہاں بھی ٹھوکر کھا جائے اور

> انبیاء علیہ السلام کی برکات جب لوگوں کے سینوں سے سلب ہو جاتی تھیں تو لوگ دین داری چھوڑ دیتے تھے بے عمل ہو جاتے تھے عقائد تباہ ہو جاتے تھے جب عقائد جاتے تو برکات اٹھ جاتیں جب برکات اٹھ جاتیں تو پھر کوئی نہ کوئی نیا نبی مبعوث فرما دیا جاتا تھا از سر نو پھر ایک لہر آجاتی تھی برکات کی لوگوں کے دلوں کو سیراب کرنے کے لئے۔

لیکن حضورؐ کی برکات اٹھی نہیں ہیں یہ ختم نہیں ہوں گی انہیں دوام حاصل ہے اور یہی معنی ہے حضورؐ کی نبوت کے دوام کا۔ اگر یہ برکات اٹھ جائیں سلب ہو جائیں تو پھر نبوت کا باقی رہنا اپنے اندر کوئی مفہوم نہیں رکھتا اسی لئے جب حضرت عیسیٰؑ نازل ہوں گے تو اگرچہ وہ مستقل نبی ہیں اللہ کے لیکن اپنی نبوت کا پرچار نہیں کریں گے تعلیمات نبوی پر ہی عمل کرنے کی دعوت دیں گے اور خود بھی حضورؐ کے ارشادات پر عمل کریں گے چونکہ نبوت حضورؐ کی کارفرما رہے گی صرف فرق یہ ہوگا کہ ان کے نزول تک دعوت الی اللہ دینے والے اولیاء اللہ اہل اللہ حضورؐ کے خدام ہیں جنہیں ولایت سے بڑھ کر کوئی درجہ حاصل نہیں ہے صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے بعد اللہ کی طرف دعوت دینے والا بڑے سے بڑا بھی ہو ولی اللہ ہوگا عارف باللہ ہوگا لیکن حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے بعد داعی بھی خود نبی ہوگا۔ لیکن دعوت حضورؐ کی طرف دے گا۔ تو اس سے یہ بات سمجھ میں آگئی کہ جس طرح حضورؐ کی تعلیمات موجود

اصل کی بجائے دھوکے سے کہیں نقل میں گرفتار ہو جائے تو اس کی پہچان کیا ہوگی کیسے خبر ہوگی کہ ہم جہاں محنت کر رہے ہیں ہم جس شخص کے ساتھ چل رہے ہیں یا ہم جس ادارے میں یا جس خانقاہ میں حاضر ہوتے ہیں وہاں سے ہمیں برکات نبویؐ نصیب ہوتی ہیں یا نہیں یہاں جو کچھ کہتے ہیں یہ درست ہے بھی یا نہیں تو اس کی پہچان یہ ہوگی کہ حضورؐ سے جن لوگوں کو برکات حاصل ہوئیں ان پر کیا اثر مرتب ہوا۔ ان پر اثر یہ مرتب ہوا کہ وہ لوگ عملی زندگی یا نیکی سے بیگانہ تھے یکسر ان کے مزاج بدل گئے اور نیکی کی طلب ان میں پیدا ہوگئی اور نیکی کو انہوں نے یوں اپنایا کہ وہ اور نیکی ہم نام ہوں گئے۔

یعنی اگر آپ کہیں کہ امت میں سب سے نیک لوگ کون تھے تو جواب ہوگا صحابہؓ اور اگر آپ کہیں کہ صحابی کسے کہتے ہیں تو جواب ہوگا کہ غیر صحابی جس کے مقابلے میں، خلوص میں، دیانت میں، امانت میں، عمل میں اور قرب الٰہی کے مدارج میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا یعنی نیکی اور ان

تعلیمات کے لئے جس طرح ہمیں مدارس اور جس طرح اداروں اور جس طرح اساتذہ اور جس طرح معروف حضرات کی خدمت میں حاضر ہونا پڑتا ہے محنت اور مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح حصول برکات کے حاملین برکات کے پاس ان کی خدمت میں حاضر ہونا پڑتا ہے مجاہدہ کرنا پڑتا ہے محنت کرنی پڑتی ہے اور یہ جو خانقاہیں یا ہمارے ہاں تصوف کے ادارے چلے آرہے ہیں ان سب کا مقصد اور ان سب کا دائرہ عمل یہی ہوتا ہے۔

کا وجود ہم نام ہوگئے۔

اسی طرح پہچان یہ ہوگی کہ اگر ہم اہل حق کے ساتھ ہیں تو ہمارے مزاج میں مثبت تبدیلی پیدا ہونا چاہئے اور نہ صرف عملی زندگی میں تبدیلی آئے بلکہ درون دل دل کی گہرائیوں میں گناہ اور برائی کے لئے تنفر اور ناپسندیدگی پیدا ہو۔ اور دل کی گہرائیوں میں نیکی کی طلب پیدا ہو بھلائی کی طلب پیدا ہو انسان نیکی کر کے راحت محسوس کرے اور گناہ اگر بمقتضائے بشریت اس سے ہو جائے تو گناہ اسے لذت نہ دے بلکہ گناہ اسے ایذا میں اور ایک کوفت میں اور اندرونی تکلیف میں مبتلا کر دے اگر تو اللہ کریم یہ حالت عطا فرمائیں تو جس شخص کے پاس بیٹھنے سے یہ حالت نصیب ہو وہ شخص صاحب حال صاحب حق ہوگا جس ادارے جس خانقاہ میں یہ حالت نصیب ہو اسے ہمیشہ ہمیشہ اس کی صحبت اختیار کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

چنیں مردے کہ یابی خاک اوشو
اسیر حلقہ فتراک او شو

اور اگر یہ تبدیلی نہ آئے کسی کے پاس بیٹھنے سے آپ یہ تصور کر لیں کہ اس کے پاس بیٹھنے سے مجھے دولت زیادہ ملی ہے اس کے پاس بیٹھنے سے میرا شان بڑھ گیا ہے اس کے پاس بیٹھنے سے میرے کام جلدی ہو جاتے ہیں تو یہ کوئی معیار نہیں۔ کیوں کہ دنیا کا سارا نظام ازل سے طے شدہ ہے ہر شخص کا ہر گھونٹ پانی کا مقرر ہے ہر دانہ غذا کا مقرر ہے اور ہر جھونکا ہوا کا مقرر ہے۔

یہ بڑی کھلی بات ہے کہ کوئی شخص دوسرے کی روزی کھا کر نہیں مرتا کوئی شخص اپنی روزی بچا کر نہیں مرتا ہر شخص تک اس کا نصیبہ پہنچتا ہے یہ اللہ کی مرضی کسی کے لئے اس نے **یبسط الرزاق لمن الیشاء ویقدر** کسی کے لئے اس نے روزی فراخ کر دی اسے اس طرح آزمائش میں ڈال دیا کہ یہ اپنی ساری زندگی روزی ہی کمانے کھانے میں بسر کر دیتا ہے یا روزی دینے والے کو بھی پہچانتا ہے۔ اور کسی پر فقرو فاقہ اور تنگ دستی بھیج دی یہ تنگی اور ترشی میں میری ہی طرف پلٹتا ہے یا میرے دروازے کو چھوڑ کر دوسرے دروازوں پر ٹھوکریں کھاتا ہے اور کسی کو دونوں حالات سے آشنا کر دیا کبھی فراخی بھیج دی کبھی تنگی بھیج دی یہ اس کا اپنا نظام ہے اور اس کا نظام اتنا مضبوط ہے اس میں میرے اور آپ کے مشورے کی کوئی گنجائش نہیں۔

انسان تھوڑے سے وقت کے لئے آتا ہے اور اس کا نظام بڑی دیر سے چل رہا ہے وہ خود ہی جانے کہ کب تک اسے چلنا ہے۔ تو جس کا دورانیہ اتنا لمبا ہو اس میں جو کوئی چند ثانئے کے لئے آئے اس کے کردار سے اس کو کیا اثر پذیر ہونا ہوگا۔ اس کا طے شدہ نظام ہر ایک کو متاثر کرتا ہے اثر پذیر نہیں ہوتا۔

اس لئے یہ کوئی معیار نہیں ہے کہ آپ سمجھیں کہ ہم حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہمیں بڑی دولت مل گئی بڑی صحت مل گئی بڑی عافیت۔ مل گئی یہ سب چیزیں ملتی رہتی ہیں الحمد للہ اہل اللہ کی برکات ہوتی ہیں کروڑوں

مصیبتیں ٹل جاتی ہیں کروڑوں پریشانیاں ٹل جاتی ہیں لیکن یہ کوئی معیار نہیں ہے چونکہ یہ سب کچھ ان لوگوں کو بھی مل رہا ہے اہل اللہ تو اپنی جگہ رہے جو رسولؐ پر ایمان نہیں رکھتے جو خود خدا پر ایمان نہیں رکھتے ان کے پاس بھی ڈھیروں دولت ہے صحت ہے اولاد ہے حکومتیں ہیں سلطنتیں ہیں اس لئے یہ تو کوئی معیار نہ رہا۔

ہمارے قریب ہی ایک گاؤں ہے وہاں ایک ریٹائرڈ کپتان صاحب ہوا کرتے تھے تو وہ شومئی قسمت سے شیعہ ہو گئے ہمارے ایک دوست کے پاس وہ بیٹھے تھے تو انہوں نے پوچھ لیا کہ آپ نے ساری عمر بسر کرنے کے بعد اب آپ کی آخری عمر ہے آپ کو کیا سوجھی کہ آپ شیعہ ہو گئے اس نے کہا کہ میں شیعہ ہو گیا ہوں اور اس کی برکت سے میں الیکشن جیت گیا اور میں چیئرمین بن گیا ایک عورت وہاں بیٹھی تھی تو وہ کہنے لگی اس سے بہتر تھا تم ہندو ہو جاتے تو شاید اندرا گاندھی کی جگہ تمہیں لے لیتے۔ تم یونین کونسل کے چیرمین ہو گئے کیا تیر مارا ایک ہندو عورت ہے اور اتنے بڑے ملک پر حکومت کر رہی ہے۔

تو اگر مذہب کا اجر یہ چیزیں ہیں تو تمہیں ہندو ہونا چاہئے تھا شاید تمہیں سلطنت مل جاتی۔

یہ دنیا کی دولت یہ دنیا کی نعمتیں معیار حق نہیں ہیں حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ دنیا کی قیمت اللہ کے نزدیک اگر ایک مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو کافر ترستا رہتا اسے ایک گھونٹ پانی بھی نصیب نہ ہوتا لیکن اللہ کے نزدیک اس کی کوئی قیمت نہیں ہے یہ وقتی اور لمحاتی چیز ہے۔ مادی ہے فانی ہے اس کی لذتیں فانی اس کی تکلیفیں فانی اسکی آسودگی فانی اس کا فقر و فاقہ فانی یہ سب کچھ فانی ہے۔

لیکن جو کیفیات **من جانب اللہ** قلوب پر اور ارواح پر اور باطن پر وارد ہوتی ہیں اور جو برکات حضورؐ کے طفیل نصیب ہوئیں وہ دائمی ابدی اور انسان کی دونوں عالم کی فلاح کی ذمہ دار ہیں۔

تو ہمیں دو طرح سے جائزہ لینا چاہئے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اس ادارے میں یا اس شخص کے پاس یا اس مکتب فکر میں داخل ہو کر مجھ میں تبدیلی آئی پھر ایک صورت اس کی دوسری ہے بعض لوگ متاثر نہیں ہوتے بعض ایسے ہوتے ہیں جو خود اثر پذیر نہیں ہوتے انہیں اس شخص کو یا ادارے کو الزام دینے سے پہلے ارد گرد دیکھنا چاہئے کہ اگر میں متاثر نہیں ہوا تو میرے ساتھ کتنے لوگ بیٹھے ہیں یہ لوگ یہاں آنے سے پہلے کیسے تھے اور یہاں آ کر ان میں کیا تبدیلی آئی پھر اگر وہ سمجھے کہ اس شخص کے اردگرد بسنے والے سچ بولتے ہیں دیانت دار ہیں محبت کرنے والے لوگ ہیں نیکی کرتے ہیں اور برائی سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور میرے دل کی کیفیت تبدیل نہیں ہوتی تو اسے اپنے آپ کا جائزہ لینا چاہئے کہ یہاں کوئی نقص مجھ میں ایسا ہے کہ میں متاثر نہیں ہو رہا اور اگر بھی ایک جیسے نظر آئیں تو پھر وہاں سے رخصت ہو جانے میں ہی عافیت ہے۔ جہاں ایمانیات میں خلوص اعمال میں خشوع و خضوع نیکی کی رغبت اور برائی سے بیزاری نصیب نہ ہو وہاں وقت لگانا وقت کو ضائع کرنے کے مترادف ہے انسان کے

الحمدللہ اہل اللہ کی برکات ہوتی ہیں کروڑوں مصیبتیں ٹل جاتی ہیں کروڑوں پریشانیاں ٹل جاتی ہیں لیکن یہ کوئی معیار نہیں ہے چونکہ یہ سب کچھ ان لوگوں کو بھی مل رہا ہے اہل اللہ تو اپنی جگہ رہے جو رسولؐ پر ایمان نہیں رکھتے جو خود خدا پر ایمان نہیں رکھتے ان کے پاس بھی ڈھیروں دولت ہے صحت ہے اولاد ہے حکومتیں ہیں سلطنتیں ہیں اس لئے یہ تو کوئی معیار نہ رہا۔

یہ جو دنیوی مراعات ہیں جھونگے میں مل جاتی ہیں یہ دنیوی فوائد جو حاصل ہوتے ہیں اہل اللہ کے قدموں میں یہ جھونگے میں ملتے ہیں انہیں شمار ہی نہیں کرنا چاہئے یہ تو مفت میں بٹتے رہتے ہیں انہیں گننے کی کیا ضرورت ہے شمار اس چیز کو کرنا چاہئے جو اصل ہے یعنی ایمان کھرا ہو جائے توحید خالص ہو جائے رسالت پر اعتماد ہو جائے اور عمل میں پختگی آ جائے۔

پاس بہت تھوڑی فرصت ہے اور دنیا میں پیدا ہونے والے ہر شخص کو موت کی سزا سنائی جا چکی ہے صرف بلیک وارنٹ آنے کی دیر ہے کسی کا کب آ جاتا ہے کسی کے پاس کوئی سند نہیں اور حق کی جستجو میں مر جانا بھی اللہ کی رحمت کا مستحق بنا دیتا ہے۔

چونکہ جو اللہ کی طرف ہجرت کرتا ہے اللہ کریم فرماتے ہیں میں اسے محروم نہیں رکھتا خواہ وہ منزل پر پہنچے یا راستے میں اسے موت آ لے اسے اجر دیا جاتا ہے۔

تو سب سے پہلے تو اپنا ارادہ اپنی نیت کھری کرنی چاہئے کہ میں اللہ کے لئے چلوں نیکی کی تلاش میں چلوں حق کی تلاش میں چلوں یہ جو دنیوی مراعات ملتی ہیں جھونگے میں مل جاتی ہیں یہ دنیوی فوائد جو حاصل ہوتے ہیں اہل اللہ کے قدموں میں یہ جھونگے میں ملتے ہیں انہیں شمار ہی نہیں کرنا چاہئے یہ تو مفت میں بٹتے رہتے ہیں انہیں گننے کی کیا ضرورت ہے شمار اس چیز کو کرنا چاہئے جو اصل ہے یعنی ایمان کھرا ہو جائے توحید خالص ہو جائے رسالت پر اعتماد ہو جائے اور عمل میں پختگی آ جائے اور اس کے ساتھ خلوص اور خشوع و خضوع اور اس میں زیادتی ہوتی رہے تو یہ فیوضات و برکات نبوی علیٰ الصلوۃ والسلام کے ملنے کی دلیل ہے۔

اور اگر آدمی سب کچھ کرنے کے باوجود گناہ ہی کی طرف بھاگے اور اسے گناہ ہی میں لذت ملے نیکی کی طرف رغبت پیدا نہ ہو تو اسے اپنا وقت وہاں ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

اللہ کریم ہماری ان حقیر سی کوششوں کو قبول فرمائے اور نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔

(مرشد آباد ۸۶-۹-۱۹)

دعائے مغفرت

○ سلسلہ کے ساتھی حاجی فلک ناز صدر الاخوان بنوں انتقال کر گئے۔

اور

○ سلسلہ کے ساتھی چوہدری حسن محمد (بہاولپور) کے والد محترم انتقال کر گئے ہیں۔

○ ان کے لئے ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

دعائے مغفرت

سلسلہ عالیہ کے ساتھی شاہد امداد (یونین پارک لاہور) کی والدہ ماجدہ وفات پا گئی ہیں ان کے لئے ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

سکون

مولانا محمد اکرم اعوان

ہر شخص اپنی زندگی کے لئے راحتیں تلاش کرتا ہے اور یہ ہر شخص کا بنیادی حق ہے کہ وہ اپنے لئے آرام، سکون، راحت، عزت، آبرو تلاش کرے اور اس کے ساتھ رہے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ یہ صرف انسان نہیں کرتا ہر حیوان کی جبلت میں یہ داخل ہے کہ وہ اپنے لئے راحت تلاش کرے اب یہ اور بات ہے کہ کس جانور کی راحت کا معیار کیا ہے۔ درندے کے لئے کسی غار میں پناہ کا مل جانا بہت بڑا راحت کا سامان ہے تو کسی پرندے کے لئے کسی جھاڑی کی شاخ پر گھونسلا بن جانا اس کے لئے راحت کا سامان بن جاتا ہے۔ اسی طرح آپ دیکھیں گے کہ تمام حیوانات میں چیونٹیاں بھی گھر بناتی ہیں وہ بھی اپنے لئے اپنی خوراک جمع کرتی ہیں شہد کی مکھی کتنا خوبصورت گھر بناتی ہے اس کے چھتے کا بن جانا اور اس کا شہد سے بھر جانا یہ اس کے لئے سامان راحت ہے ساری عمر اسی کے بنانے میں لگی رہتی ہے۔ اسی طرح اگر آپ تمام حیوانات کو دیکھیں تو اگرچہ معیار ان کا علیحدہ علیحدہ ہے لیکن تلاش ایک ہی چیز کی کرتے رہتے ہیں کہ زندگی بھر راحت سے سکوں سے اور آرام سے رہ سکیں۔

ایک بات یاد رہے انسان کے علاوہ روئے زمین پر جتنے حیوانات بستے ہیں ان کی ساری راحت جسمانی آرام میں ہے اس سے زیادہ کوئی جانور سوچ بھی نہیں سکتا۔ نہ اس میں سوچنے کی صلاحیت و استعداد ہے اور نہ اللہ نے اسے یہ شعور بخشا ہے راحتیں سب تلاش کرتے ہیں لیکن تمام حیوانات کی راحت کا معیار جو ہے وہ جسمانی آرام یا جسم کو پناہ مل جانے کا نام ہے۔

اب انسان جو تخلیق باری کا شاہکار ہے یہ بھی راحت کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے لیکن انسان کی راحت کا معیار مختلف ہے اس کی شان کے مطابق ہے اس کے اپنے مقام کے مطابق ہے اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ کبھی تو اسے جسم کو آرام پہنچا کر راحت ملتی ہے اور کبھی جسم کے ٹکڑے کروا کر راحت پاتا ہے یعنی اس کا معیار دوسرے حیوانات سے یکسر مختلف ہے۔ کبھی تو اسے تخت شاہی پر راحت ملتی ہے اور کبھی اس کے لئے درزندان کھولا جائے تب یہ مطمئن ہوتا ہے۔ کبھی اسے آرام سے جینے میں لطف آتا ہے اور کبھی اسے سر دار لٹکتے ہوئے راحت ملتی ہے۔ یعنی اس کی راحت کا معیار مختلف ہے۔ انسان کی راحت انسان کے بدن اور جسم سے متعلق ہے ہی نہیں یہ معیار دوسرے حیوانات کا ہے اس کی اصل راحت یہ ہے کہ اس کی انسانیت کے اصل، اس کی روح، عالم امر سے متعلق ہے دوسرے حیوانوں کا سارا سرمایہ اس مادی جہان سے متعلق ہے ان کی راحتیں بھی اس مادی جہان میں ہیں۔ لیکن اس کی اصل جو ہے یہ عالم امر سے ہے اور کم از کم

درجہ راحت کا جو اسے نصیب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کا تعلق دوبارہ عالم امر کے ساتھ جڑ جائے مضبوط ہو جائے ایک حیوان ہری بھری کونپل کو دیکھ سکتا ہے ایک درندہ ایک اچھے شکار کو دیکھ سکتا ہے ایک پرندہ کسی خوبصورت سے پتنگے پر جھپٹ سکتا ہے ایک شاہین کسی چھوٹے پرندے کو شکار کر سکتا ہے لیکن اس کی نگاہ بھی بہت بلند ہے اور اس کی پرواز بھی بہت بلند ہے۔

جب اس کی نگاہ اٹھتی ہے تو جمال باری پہ جا کر ٹھہرتی ہے اور جب یہ پر کھولتا ہے تو عالم امر اس کے زیر پر ہوتا ہے۔ تب جا کر اسے راحت ملتی ہے اور اگر یہ شے اسے نصیب نہ ہو تو یہ راحت پا سکتا ہی نہیں۔

یہ جو دوڑ لگی ہوئی ہے نا ہماری کہ شاید ہم دولت زیادہ جمع کرلیں تو راحت مل جائے گی مکان اچھے بنا لیں تو راحت مل جائے گی موٹریں خوبصورت یا زیادہ ہوں تو راحت ملے گی۔ دولت کمانا مکان بنانا موٹر رکھنا یہ ہمارا حق ہے اللہ نے ہمیں دیا ہے اور کمانے کے جائز ذرائع اور وسائل بتائے ہیں۔ حدود شرعی کے اندر رہتے ہوئے کوئی جتنی محنت کرے کوئی جتنا رزق کمائے جتنا اچھا پہنے اوڑھے کھائے پیئے یہ سب درست ہے اور انسان کا حق بنتا ہے۔ یعنی صرف دوسرے کا حق نہ چھینے اللہ کی زمین پر رہتے ہوئے اپنی محنت سے اپنے لئے حاصل کرے اس میں کوئی قباحت نہیں۔ لیکن یہ یاد رکھے کہ یہ سارا کچھ کرنے کے بعد بھی اس میں انسان کے لئے راحت نہیں ہے۔ یہ محض انسان کے وجود اور رشتہ حیات کو باقی رکھنے کا سبب ہے راحت اسے تب ملے گی جب اس کا تعلق اس کی نگاہ جمال باری پہ جا کر ٹھہرے گی حجابات درمیان سے ہٹ جائیں گے۔ یہ سنے گا تو اللہ کی بات' عرض کرے گا تو اللہ کی بات۔

اب اسے سننے سنانے میں اگر اس کے وجود کے پرخچے اڑ جائیں اگر اس کا سارا مال نیلام ہو جائے اگر اس سے سلطنت چھین لی جائے' اگر اس کی اولاد ذبح ہو جائے' اگر اس کا گھر اجڑ جائے' تو یہ بے سکون نہیں ہوتا۔ ان سارے زخموں سے ایک ایک زخم اسے نرالی لذت دیتا چلا جاتا ہے اور یہی فرق ہے دوسرے حیوانات میں اور انسان میں اور عالم انسانیت کا کوئی فرد اگر اس لذت سے آشنا نہیں ہو سکا۔ تو اللہ کریم اسے انسانوں میں شمار نہیں فرماتے بلکہ فرماتے ہیں دوسرے چوپایوں کی طرح یہ لوگ ہیں بلکہ یہ ان سے گئے گزرے ہیں کہ چوپایہ تو تخلیقی طور پر چوپایہ تھا انسان کو میں نے انسانی استعداد دی شعور بخشا یہ اس سب استعداد کو ضائع کر کے چوپایوں کی صف میں شامل ہو گیا اور اپنے لئے غذا میں' بستر میں' لباس میں' موٹر میں' وقار میں' دنیوی اقتدار میں راحتیں تلاش کرتا ہے۔ بلکہ اس طرح جس طرح کوئی تگڑا بیل گلے میں مار کر دوسروں پر حکمرانی کرنا چاہتا ہے یا کوئی قوی درندہ دوسرے جانوروں کو جنگل سے بھگا کر اکیلا حکمرانی کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح کی راحت کا متلاشی اگر یہ بھی ہے تو یہ بھی انہی میں سے ایک ہے۔

اب یہاں اس کی ایک مثال قرآن حکیم نے ارشاد فرمائی ہے اور وہ بڑی نرالی ہے۔ سیدنا ابراہیمؑ کا واقعہ آپ سب حضرات کو بخوبی خبر ہے کہ بارہا آپ نے پڑھا ہو گا سنا ہو گا کون ایسا مسلمان ہے جو آپؑ کے حالات سے واقفیت نہیں رکھتا آپؑ کے ہی حالات میں ایک واقعہ ارشاد ہوتا ہے انسانی راحت کا انسانی سکون کو پانے کا۔

اللہ کریم فرماتے ہیں ابراہیمؑ نے جب عرض کی **رب هبلی من الصلحین** خدایا ایک خوبصورت سا بچہ دے دے۔ ایسے فرد کو جس کے ہر پہلو میں صلاحیت موجود ہو۔ مادی جسمانی اعتبار سے کامل ہو اعضاء و جوارح کے اعتبار سے درست ہو بینائی ٹھیک ہو' شنوائی درست ہو' قد و قامت موزوں ہو' اعضاء جوارح درست ہوں۔ عقیدہ اور ایمان درست ہو کردار اور گفتار حسین ہو تب جا کر وہ صالح بنے گا۔

تو کتنی خوبصورت دعا مانگی دو تین لفظوں میں **رب هبلی من الصلحین**۔ اللہ جل شانہ کی صفت ربوبیت سے

اللہ کو پکارا۔ رب ہوتا ہی وہ ہے جو ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت ہر جگہ ہر وقت ہر حال میں پوری کرتا ہو تو فرمایا تو میرا بھی رب ہے۔ میری ضروریات بھی تیرے سامنے ہیں خوبصورت بچہ دے دے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں **و بشرنہ بغلام حلیم** ہم نے اسے خوشخبری دے دی کہ تجھے ایسا بچہ دیں گے جو ایک معیاری انسان ہو گا' غلام حلیم۔ اور بھڑک اٹھنا انسانی کمزوریوں میں سے ہے اور قوت برداشت کا ہونا انسانی عظمتوں میں سے ہے۔ بھڑک اٹھنا ہر شخص کے لئے آسان ہے لیکن حالات و واقعات کا مقابلہ کرتے ہوئے تحمل و بردباری سے راہ راست کو نہ چھوڑنا اور حقیقت پہ قائم رہنا یہ اللہ کی عطا ہوتی ہے۔ کم لوگوں پر ہوتی ہے۔ ہر ایک کو یہ حصہ نصیب نہیں ہوتا تو فرمایا ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی حلیم بچے کی۔

اب آپ اس واقعہ سے پوری طرح باخبر ہیں حضرتؑ کی عمر آخری تھی بال سفید تھے زوجہ محترمہ بھی بوڑھی تھیں بڑھاپے میں اللہ کریم نے بچہ دیا اور ایسا بچہ دیا جس کی تعریفیں اللہ کریم خود فرماتے ہیں۔ پھر حکم دے دیا کہ اسے لے کر چلو اس جنگل بیاباں میں جا کر چھوڑ آؤ جہاں بیت اللہ شریف اب موجود ہے۔ کوئی آبادی قریب نہیں تھی کہیں پانی تک کا نام و نشان نہیں تھا۔ آپؑ نے وہاں جا کر ایک بوڑھی عورت اور ایک معصوم بچے کو چھوڑ دیا محض اللہ کے بھروسے پر۔ لق و دق صحرا اور بیاباں کے درمیان جہاں کوئی چیز اگتی نہ تھی ایسی وادی جس میں کوئی سبزہ یا کوئی اگتی ہوئی چیز نظر نہیں آتی تھی۔

ان مشکل حالات میں اور ان مجاہدوں کے ساتھ اور اتنی محنتوں کے ساتھ جب وہ بچہ کچھ بڑا ہوا **فلما بلغ معہ السعی** اب یہ دیکھیں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اولاد مل جائے تو یہ بڑا سامان راحت ہے۔ گھر بن جائے تو بڑا سامان راحت ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جو بچہ اللہ نے دیا وہ بہت معیاری انسان تھا۔ اللہ کا نبی اور رسول تھا بہت حسین و جمیل تھا اور بہت ہی فرماں بردار اور بہت ہی لاڈلا اور پیارا تھا ماں کا بھی اور باپ کا بھی۔ بڑی مشکلوں سے پلا بڑھا اور عند اللہ اتنا صاحب عزت تھا کہ بچپن میں جہاں تڑپ کر اس نے پیر مارا وہاں سے ہر اعتبار سے بہترین پانی کا چشمہ جاری ہوا جو آج تک جاری ہے۔ یعنی آپ باعتبار خبر صادق کے ہیں حدیث شریف اور قرآن حکیم کی روشنی میں اس کی جو عزت ہے اس کی روشنی میں لیں یا آپ میڈیکل سائنس کے ذریعے اس پانی کا تجزیہ کروا کر لیں ہر لحاظ سے روئے زمین پر اس جیسا کوئی دوسرا پانی ہے ہی نہیں۔

تو جب وہ اتنا خوبصورت' حسین و جمیل بچہ ساتھ چلنے کے قابل ہوا **فلما بلغ معہ السعی** جب آپ کے ساتھ چلنے کے قابل ہوا تین سال چار سال پانچ سال چھوٹی سی عمر میں جب بچے ضد کر کے ساتھ ہو لیتے ہیں انگلی پکڑ کر دامن پکڑ کر پیچھے پیچھے گھسٹے چلے آتے ہیں۔ توتلی توتلی زبان میں باتیں کرتے ہیں۔ تو ایک سفید ریش خمیدہ کمر باپ کو اس کا نہایت ہی پیارا' نہایت ہی خوبصورت' اور چھوٹا سا ننھا سا بچہ آخری عمر میں اللہ نے عطا کیا ہے وہ جب دامن کھینچ کھینچ کر گیند کی طرح ساتھ اچھلتا چلا جا رہا ہے تو خواب میں دیکھتے ہیں کہ میں اس بچے کو ذبح کر رہا ہوں۔

بات راحت کی تھی ہم نے تو یہ سمجھا کہ خدا کے اس بوڑھے آدمی کو اس بزرگ کو اللہ نے بڑھاپے میں خوبصورت سا بچہ دے دیا اور اس کی خواہشیں پوری ہو گئیں اور تکمیل آرزو کے مقام پر پہنچ گیا بڑی خوشی ہے۔ لیکن وہ بزرگ وہ بابا خواب میں دیکھتا ہے کہ بچے کو ذبح کر رہا ہوں اور نبی کا خواب وحی ہوتا ہے۔

انبیاءؑ کے خواب میری اور آپ کی طرح نہیں ہوتے نبی جو خواب دیکھتا ہے وہ وحی الٰہی ہوتا ہے تو گویا اللہ کریم حکم دے رہے ہیں کہ ابراہیمؑ اس بیٹے کو میرے نام پہ ذبح کر دو۔ اب اس بات کا مشورہ کس سے کریں تو اسرار الٰہیہ کو اور جو باتیں اللہ کی طرف سے نازل ہوتی ہیں ان کو سمجھنے کی استعداد بھی انہی کو ہوتی ہے جن پر وہ نازل ہوتی ہیں۔ جو احکام تشریعی طور پر انبیاءؑ پر نازل ہوتے ہیں ان کو سمجھنا

اور ان کی شرح بیان کرنا اور ان کے معنی متعین کرنا یہ نبیوں ہی کا منصب ہے نبی ہی کر سکتا ہے اور اگر کسی ولی کو **من جانب اللہ القائی' الہامی' کشفی یا وجدانی** طور پر کوئی شے حاصل ہوتی ہے تو اس تعین بھی وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس مقام پر فائز ہیں کسی دوسرے کے بس کی بات نہیں ہوتی۔

اب حق تو یہ تھا کہ جس نیکؒ بخت بی بی نے ساری عمر ساتھ دیا اور اس کی راحتیں بھی دیکھو کہ ساری عمر دامان پیغمبر سے وابستہ رہی اور آخری عمر میں جب ننھے سے بچے سمیت نبیؑ نے ایک لق و دق بیاباں میں چھوڑ دیا اور گھوڑے پر سوار ہونے لگے واپسی کے لئے تو انہوں نے باگ تھام لی اور کہنے لگیں ہمارے ساتھ آپ کیا کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا اللہ کا حکم یہی ہے تو فرمانے لگیں آپ بے فکر ہو کر جائیں اللہ کا حکم ہے تو اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا ہمیں اس پر بھروسہ ہے۔

یعنی ابراہیم علیہ السلام سے جدا ہونا مائی صاحبہ کے لئے بھی آسان نہیں تھا وہ ابراہیم علیہ السلام جو اس کا نبی بھی تھا شوہر نامدار بھی تھا محبوب بھی تھا اور اپنے زمانے میں منفرد انسان تھا جس جیسا کوئی دوسرا ابراہیم علیہ السلام اس زمانے میں روئے زمین پر موجود نہیں تھا اور ساری زندگی جس کے قدموں میں بسر کر دی اس بی بی کی راحت بھی لقائے الٰہی اور اطاعت الٰہی میں تھی۔ ابراہیم کو بھی قربان کر دیا اللہ کے حکم پر اور اس پر مطمئن ہو گئیں کہ میں یہاں ہی ٹھہروں گی۔

انسانی راحتیں اللہ کی ذات میں فنا ہو جانے میں ہیں اور حیوانوں کی راحتیں مادی لذتوں میں ہیں۔

اتنی عظیم بی بی جو بے تاب ہو کر بچے کے لئے پانی کی تلاش میں پہاڑیوں پر بھاگی اس کا وہ بے تابانہ دوڑنا اللہ کو اتنا پسند آیا کہ قیامت تک کے لئے ساری انسانیت کو پہاڑوں پر دوڑا دیا انبیاء و رسل آقا نامدار صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم ہستی ان پہاڑوں کو اپنے قدم سے مشرف فرماتی ہے اور قیامت تک کے مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ جسے بھی وہاں پہنچنے کی توفیق ہو ایک بار وہاں پہنچنا اس پر فرض ہو جاتا ہے۔

لیکن اس ساری عظمت کے باوجود وہ بی بی نبی نہ تھی اسرار الٰہیہ کو اور احکام الٰہیہ کے معنی کا تعین یہ نبیوں کا کام تھا اس بی بی سے مشورہ نہیں کیا اس بچے کو علیحدہ لے جا کر وہ چھوٹا سا جو توتلی زبان میں بات کرتا ہے اسے خواب سناتے ہیں اسے کہتے ہیں بیٹا میں نے تو خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں **فانظر ماذا تری** - تیری سمجھ میں کچھ آیا تو کیا سمجھتا ہے میں نے یہ کیا دیکھا ہے؟ اس کا کیا مفہوم ہے؟ تو وہ کمسن بچہ بھی اللہ کا رسول تھا اور رسولؑ تخلیقی طور پر نبیؑ اور رسول ہوتے ہیں اور اوصاف رسالت سے متصف ہوتے ہیں رسالت سے متصف ہوتے ہیں۔

ماں کے پیٹ میں بھی نبیؑ نبیؑ ہوتا ہے دنیا میں نبیؑ 'نبیؑ ہوتا ہے برزخ میں نبیؑ' نبی ہوتا ہے حشر میں نبیؑ' نبی ہی ہو گا جنت میں نبیؑ' نبی ہی ہو گا۔ اس کی نبوت اس سے جدا نہیں ہو گی کمالات رسالت چھن نہیں جاتے۔

تو وہ چھوٹا سا بچہ کہنے لگا ابا مجھے بچہ سمجھ کر سوال کرتا ہے جب تو اللہ کا نبیؑ اور رسول ہے جو کچھ تو نے دیکھا وحی الٰہی ہے اور وحی الٰہی میں مشورے کی گنجائش نہیں ہوتی **قال یا ابت افعل ما تومر** ابا جان آپ کو حکم دیا جا رہا ہے مشورے کی گنجائش نہیں ہے آپ میرا دل رکھنے کو مشورے کر رہے ہیں مشورے نہ کریں جو حکم دیا جا رہا ہے اس پر عمل کریں اور میں سمجھ رہا ہوں آپ مجھے چھوٹا سا بچہ سمجھ کر میرا دل رکھنے کو کہہ رہے ہیں میں بچہ تو ہوں لیکن میں بھی اللہ کا نبی ہوں۔

ستجدنی ان شاء اللہ من الصبرین - اگر تجھے خدا نے گلا کاٹنے کی جرات دے دی تو مجھے کٹوانے کی ہمت بھی دے دے گا۔

ہمارا تو معیار بدل گیا ہے ہم تو اس میں کھو گئے

کہ شاید دنیا کی نعمتیں مل جائیں تو انسان بڑا پرسکون ہو جاتا ہے لیکن کبھی کبھی لٹا پٹا کر بھی راحت ملتی ہے کسی کو آرام دہ بستر میں ملتی ہے تو کسی کو سینہ چھلنی کروا کر ملتی ہے۔ راحت ہر حال میں انسان کی وصال الٰہی میں ہے۔

اگر تو حکومت میں اللہ کی تائید حاصل ہو اور وصال الٰہی حاصل ہو تو حکومت میں بھی راحت ہوتی ہے اور اگر جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں جانا پڑے حکومت چھن جائے دامان رسالت نہ چھوٹے اللہ کی بارگاہ نہ چھوٹے تو کائنات کو تج کر راحت و سکون میں رہے گا۔

اب یہاں ایک بڑی مزے دار بات ہے انبیاء کی نگاہ بہت وسیع ہوتی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے اللہ کریم خود فرماتے ہیں **و کذالک نری ابراھیم ملکوت السموت والارض** کہ ہم نے بیک آن ارض و سما کی سلطنتیں ابراھیم علیہ السلام کے سامنے کھول کر رکھ دیں اسے دکھا دیں یعنی بیک نگاہ ارض و سما کے سارے نظام ابراہیم علیہ السلام ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ لیکن ایک لمحہ ایسا بھی آتا ہے کہ جب بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا جاتا ہے تو دونوں نبی ہیں باپ بھی بیٹا بھی حکم کو بھی سمجھ رہے ہیں اب دونوں نے تیار کر لی ہے

فلما اسلما حبین ۔ جب دونوں نے اس ایک بات کو تسلیم کیا اور بیٹے کو ذبح کے لئے لٹا دیا تو نہ بیٹے کو یہ خبر ہے کہ مجھے بچ جانا ہے بیٹے کو بھی یہ یقین ہے مجھے ذبح ہی ہونا ہے اور باپ بھی پورے یقین سے چھری چلا رہا ہے اتنی سی بات اللہ نے نہیں بتائی کہ یہ ذبح نہیں ہو گا۔

یہ جو روز روز ہمارے ہاں علم غیب کا جھگڑا ہوتا ہے اور مناظرے ہوتے ہیں یہ مسئلہ یہاں حل ہو جاتا ہے کہ ایک طرف تو خود رب العالمین فرماتے ہیں کہ بیک آن ارض و سما کی سلطنتیں میں نے دکھا دیں ابراھیمؑ کو اور دوسری طرف ابراہیمؑ اکیلا نہیں ہے ساتھ اسماعیلؑ بھی ہیں اور یہ پتہ نہیں چل رہا کہ اسے ذبح نہیں ہونا اگر یہ پتہ چل جائے تو آپ کسی بوڑھے کو بھی کہہ دیں کہ آپ چھری لے کر بیٹے کو لٹا دیں ذبح تو کوئی دنبہ کریں گے تو ہر کوئی کر سکتا ہے۔

مفسرین یہاں لکھتے ہیں کہ انہوں نے اسماعیلؑ کا منہ دوسری طرف کیا تھا اس پر بھی بس نہ کی اپنی نگاہوں پہ پٹی باندھ لی کہ کہیں ہاتھ لرز نہ جائیں بیٹے کو دیکھ کر بیٹے کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے کہ بالآخر انسانی خصوصیات انبیاءؑ و رسل سے اٹھ نہیں جاتیں ممکن ہے چھری چلے تو تڑپے یا درد سے پکڑنے کی کوشش کرے اور پھر چھری چلا دی ابراہیمؑ نے اور خون کا فوارہ گرا۔ اور جب آنکھوں سے پٹی ہٹائی تو دنبہ ذبح ہوا پڑا تھا اور اسماعیلؑ کھڑے تھے۔

ابراہیم علیہ السلام نہیں سمجھ سکے کہ کیا ہوا انہوں نے تو اسماعیل کا خون ابلتا محسوس کیا۔ تو جب حیران ہوئے اللہ کریم نے فرمایا۔

ونا دینا اور ہم نے آواز دی اے ابراھیم علیہ السلام تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا اب کس کو ذبح کیا کس کو بچا لیا یہ میرا کام تھا یہ میری مرضی تھی کہ میں نے جنت سے دنبہ بھیج کر ذبح کرا دیا۔ اسماعیلؑ کو بچا لیا اس سے کیا کیا نتائج لئے۔ یہ میری مرضی یہ میرا کام تھا لیکن تو فنا کے اس درجے پر پہنچ گیا جہاں احکام الٰہی کو کوئی محبت روک نہیں سکتی۔ محبت الٰہیہ پر کوئی محبت غالب نہیں آسکتی بیوی کی، نہ بیٹے کی، نہ گھر کی، نہ دولت کی، نہ سرمائے کی، یہاں ساری محبتیں محبت الٰہیہ پر آ کر نثار ہو جاتی ہیں تو نے اپنے منصب جلیلہ کو پا لیا تو نے اپنی بات کو سچ کر دکھایا اب اسماعیل بچ گیا ہے یا اس کی جگہ دنبہ ذبح ہو گیا ہے تو یہ میرا کام ہے یہ میں جانوں تو اپنے اس امتحان میں تو اپنی آزمائش میں پورا اترا اور تو اپنے مقام پر فائز ہو گیا۔

تو میرے بھائی انسانی راحت کا معیار یہ ہے کہ اس کا تعلق اللہ جل شانہ سے ہو اور ایسا مضبوط ہو کہ

اللہ کریم کھلائیں تو کھا کر راحت ملے' اور فاقہ بھیج دیں تو بھوک کاٹ کر راحت ملے' صلح کا حکم دے دیں تو صلح کر کے راحت ملے اور جہاں لڑنے کا حکم دے دیں سینہ چھلنی کرا کر راحت ملے' انسان کو لذت ملے تو اس بات پر کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں یہ کام میرا نہیں ہے' جو مجھ سے ہو رہا ہے لیکن یہ کام میرے رب کا ہے تو انسان کے لئے راحتیں اس عظیم مقام پر ہیں اس چوٹی پر ہیں۔ اس سے نیچے جو لذتیں ہیں محض پیٹ بھر کر لذت حاصل کر لینا' محض سرمایہ جمع کر کے غلہ جمع کر کے تو چیونٹی بھی مزہ پا لیتی ہے وہ بھی سمجھتی ہے کہ میں نے بورے دانے جمع کر لئے اور فصل کھا کر ایک بیل بھی خوش ہو لیتا ہے۔ شکار کر کے ایک درندہ بھی ڈکار لیتا ہے بڑے فخر سے اپنے بال جھاڑتا ہے اور بیٹھتا ہے۔ اگر انسان نے بھی اس میں راحت تلاش کی کہ پیٹ بھر جائے دولت جمع ہو جائے تو یہ کوئی انسانیت کا مقام نہیں ہے۔ انسان کی لذتیں اور راحتیں بلند تر ہیں۔ بہت عظیم اور وہ یہ ہیں کہ اسے اللہ سے ایسا تعلق نصیب ہو جائے کہ اگر ہر چیز قربان کرنی پڑے تو اللہ کے نام پر کر دے اور اللہ عطا کر دے رئیس بنا دے امیر بنا دے۔

آپ دیکھیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دونوں حالات سے گزرے ابتدائے اسلام میں باذل ایرانی کہتا ہے۔

کجا بود دنیا با مصطفیٰ : دنیا کی دولت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہاں تھی فقروفاقہ تھا اور جو اسلام قبول کرتا تھا اس کا گھر لٹ جاتا تھا اسے مار پڑتی تھی ایذا دی جاتی تھی بالآخر سب و ہجرت کرنا پڑی یعنی تمام مادی اسباب کو نچھاور کرتے گئے لیکن دامان رسالت میں انہیں وہ لذت ملی کہ کوئی دنیا کی چیز ان کے ہاتھ سے وہ دامن چھڑا نہ سکی کہ حضورؐ کا دامن چھوڑ کر اس کے پیچھے لپکتے ہر چیز کو چھوڑتے چلے گئے دامان رسالت کے لئے۔

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ ان پہ ہمیشہ فقروفاقہ نہیں رہا وہ لوگ جو یوم خندق اپنے پیٹوں پر پتھر باندھے ہوئے تھے وہی لوگ روما اور فارس کے فاتح تھے اور صدیوں سے جو ان ظالم حکمرانوں نے مخلوق کو لوٹ لوٹ کر خزانے جمع کر رکھے تھے ان سونے چاندی کے تختوں تاجوں اور خزانوں کو انہوں نے روضہ اطہر کے سائے میں چھینیوں' ہتھوڑوں سے توڑ توڑ کر غرباء میں تقسیم کر دیا اور ایک ایک صحابی بہت بڑا رئیس تھا جو حصہ اللہ نے انہیں مال غنائم سے دیا اس کے بل پر۔

جہاں وہ فقروفاقہ ان سے دامان رسالت نہیں چھین سکا وہاں جب دنیا کی بہت بڑی دولت ان کے قدموں میں آگئی تو بھی ان کی راحت اطاعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی۔ وہ غریب ہو کر بھی مسلمان تھے وہ رئیس ہو کر بھی مسلمان تھے وہ اول و آخر مسلمان رہے نہ دنیا کی سختیاں انہیں ہٹا سکیں نہ دنیا کی راحتیں اور آرام انہیں ہٹا سکا۔ یہ صحابہ ہی تھے جن کی سلطنت کی حدود چین سے لے کر وسط افریقہ تک تھی۔ ان کے بعد کسی حکمران کو بیک وقت اتنی بڑی سلطنت نصیبؓ نہیں ہوئی آپ کہتے ہیں کہ برطانیہ کی حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا لیکن برطانوی نو آبادیات تھیں کہیں کسی جنگل میں جا کر کہیں کسی ملک میں جا کر لوگوں کو دبا لیا حکومت قائم کر لی مسلمانوں کی سلطنت چین سے لے کے افریقہ تک مسلسل تھی۔ اتنی بڑی سلطنت تاریخ عالم میں روئے زمین پر مسلمانوں کے بعد اور صحابہؓ کے بعد کہیں نظر نہیں آتی۔ اتنی بڑی سلطنت کے حکمران لذت پاتے تھے تو مسجد نبویؐ کی خاک پر لیٹ کر۔ راحت پاتے تھے تو اطاعت رسولؐ میں اور انہیں لطف آتا تھا اللہ کے نام پر نچھاور ہونے میں۔ تو میرے بھائی انسانیت کا معیار یہ ہے کہ ان لذتوں کو تلاش کرے جو انسان کے شایان شان ہیں اور محض حیوانوں کی طرح بہت نیچے آکر راحت تلاش نہ کرے۔

(بیان : دارالعرفان ۱۹۸۶-۸-۱)

عالم اسلام اور احیائے اسلام کی کوششیں

ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی

ملت اسلامیہ کی وحدت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن حکیم نے مسلمانوں کو امت واحدہ کہا ہے۔ **اِنَّ ھٰذِہٖ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً -**

اسلام میں وحدت ملی سے مراد ملت اسلامیہ کے وہ افراد ہیں جو مسلمان ہیں' خواہ کسی خطہ ارض سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس رکنیت میں علاقائی' نسلی' قومی اور جغرافیائی تقسیم رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ **واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا -**

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر
(اقبال)

قوموں کے زوال کی نشانیاں ہیں۔

بھلا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا

انیسویں صدی کے آغاز میں عالم اسلام میں آزادی کی لہر دوڑی۔ اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت کے مرثیے اقبال نے پڑھے۔ جمال الدین افغانی نے انیسویں صدی کے نصف میں اتحاد عالم اسلام کی تجویزیں سوچیں۔ انہوں نے ایران' ترکی' مصر' ہندوستان میں استقلال وطن کی ہر تحریک کو آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ پہلی جنگ عظیم نے مسلمانوں کے مراکز کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ خلافت کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیا۔ ترک و

دنیائے اسلام کو اتحاد بین المسلمین کا سبق سورة الحجرات میں **انما المومنین اخوة** کہہ کر دیا گیا۔ اس سبق کو آخری دفعہ حجتہ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دہرایا۔ آج عالم اسلام انڈونیشیا سے مراکش تک اور اندلس سے یمن تک پھیلا ہوا ہے۔

سیاسی پس منظر

تلواروں کی چھاؤں میں کلمہ توحید پڑھتے ہوئے مسلمان مجاہد کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں سربکف پھرے' کبھی یورپ کے کلیساؤں میں اذانیں دیں' کبھی آتش کدۂ ایران کو بدلا اور مسلمان کمال کی بلندی سے زوال کی پستیوں میں اوندھے منہ گرنے لگے۔ یہ

عرب کے درمیان ایک مستقل مخالفت کا بیج بو دیا۔ مشرق وسطیٰ کی اسلامی حکومتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ آخر دنیائے عرب کی پیٹھ میں اسرائیل کا چھرا گھونپ دیا۔ یہ مغربی استعمار کی سازش تھی۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد دنیا کے چپے چپے سے آزادی کی تحریکیں اٹھیں۔ پاکستان' انڈونیشا' ملایا' شام لبنان' عراق' اردن' مصر' لیبیا' تیونس' مراکش اور الجزائر وغیرہ خونیں غسل کر کے عروس آزادی سے ہم کنار ہوئے۔

احیائے اسلام کی کوششیں

خلافت راشدہ کے بعد مسلمانوں نے ملوکانہ طرز حکومت کو اپنا لیا اور یہی ان کی زبوں حالی کا سبب ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں تحریک مجاہدین نے روشن مثال پیش

کی اور تحریکِ غلبۂ اسلام کی مخلصانہ کوشش کی۔ شاہ ولی اللہؒ، شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد بریلوی نے اس کوشش میں اضافہ کیا اور جمال الدین افغانی نے پان اسلام ازم (Pan Islamism) کی شمع روشن کی۔ مغربی استعمار نے ہمیں ہر طرح سے نقصان پہنچایا۔ عرب مسلمانوں کے لئے اسرائیل کا ناسور پیدا کیا۔ برصغیر میں مسئلہ کشمیر کھڑا کر دیا۔ اب افغانستان کے جسم میں روس جیسی خونخوار عالمی طاقت اپنے دانت پیوست کر چکی ہے۔ اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ مسلمان اتحاد پیدا کریں اور اپنا علیحدہ اسلامی بلاک بنائیں اس میں ان کی سلامتی ہے۔

اسلامی ممالک کے وسائل

۱۹۶۰ء ----- ۱۹۶۱ء کے اعداد و شمار کے مطابق مسلمانوں کی آبادی ساٹھ کروڑ کے قریب تھی جو دنیا کی کل آبادی کا پانچواں حصہ ہے۔ آزاد مسلمان ممالک کی تعداد ۴۲ ہے۔ جو خطہ ارض کے چھٹے حصے پر قابض ہیں۔ اقوام متحدہ میں مسلم ممالک کی تعداد ایک تہائی ہے۔ عدن، بحرین، گنی، افغانستان، کیمرون، انڈونیشیا، سینی گال، صومالیہ، اردن، ملائشیا، عمان، سوڈان، کویت، مالی، نائیجیریا، شام، لبنان، ماریطانیہ، نائجر، سعودی عرب، سرالیون، تیونس، ترکی، البانیہ، چاڈ، ایران، الجیریا، ڈاہومی، عراق، ایوری کوسٹ، لیبیا، مراکش، پاکستان، بنگلہ دیش، یمن، مصر، متحدہ عرب امارات، زنجبار اور ٹانگانیکا یہ تمام ممالک ہیں جو دنیا کے نقشے پر ریڑھ کی ہڈی کی طرح پھیلے ہوئے ہیں اور ان کی اپنی دفاعی اہمیت (Strategic Importance) ہے۔ ان کے علاوہ دنیا کے

بڑے بڑے غیر مسلم ممالک میں بھی مسلمان نہایت اہم اقلیتیں ہیں۔ ۱۹۶۰ء ----- ۱۹۶۱ء کے اعداد و شمار کے مطابق روس میں ساڑھے تین کروڑ، چین میں ایک کروڑ اور ہندوستان میں چار کروڑ مسلمان ہیں۔

زرعی و معدنی وسائل

دنیا بھر کے پٹرولیم کے ذخائر کا ۶۶٪ حصہ مسلمان ملکوں میں ہے۔ کویت میں دنیا میں سب سے زیادہ تیل نکالنے والے چشمے موجود ہیں۔ پٹرولیم کے ذخائر اور گیس انڈونیشیا، عراق، سعودی عرب، لیبیا، بحرین اور دیگر بے شمار ملکوں میں موجود ہیں۔ قدرتی ربڑ کا ۷۰٪، پٹ سن کا ۴۰٪، پام آئل کا ۵۶٪، گرم مسالہ جات کا ۶۷٪، ریشم وغیرہ کا ۸۰٪، کونین کا ۹۰٪ مسلمان ملکوں میں ہیں۔ قدرتی گیس بے پناہ مقدار میں موجود ہے۔ چاول، روئی، گندم، کوکو اور کافی کی پیداوار اتنی ہے کہ یہ اشیاء برآمد کی جاتی ہیں۔ پاکستان جیسے ملک میں قدرتی گیس، پٹرول کے ذخائر اور مصنوعی کھاد کے لئے چونا اور جپسم موجود ہے۔ مارٹینیا میں خام لوہا ہے۔ بعض افریقی ممالک میں یورینیم (Uranium) ہے جو ایٹمی توانائی کے ضمن میں سب سے قیمتی دھات ہے۔ افغانستان میں لوہے، سکے، تانبے اور کوئلے کے ذخائر ہیں۔ دنیا کی اچھی اچھی بندر گاہیں اسلامی ممالک میں ہیں۔ پاکستان میں نمک، کچا کروم، ابرق اور معدنی کوئلہ ہے۔ الغرض نہ صرف معدنیات کی فراوانی بلکہ افرادی قوت (Manpower) کی بھی کمی نہیں۔ ہر قسم کا پھل اسلامی ممالک میں موجود ہے اور برآمد ہوتا ہے۔

اتحاد بین المسلمین کی کاوشیں

اسرائیل کے خلاف جمال عبدالناصر نے کام شروع کیا تھا۔ لیکن اس نے عرب نیشنلزم کا پرچار کیا۔ روس نے ناصر کی سرپرستی کی۔ مسلمان ممالک دو علیحدہ کیمپوں میں تقسیم ہو گئے۔ کوئی تو کمیونسٹ بلاک میں چلے گئے اور کوئی امریکی بلاک میں۔ لسانی بنیادوں پر قائم ہونے والی تنظیم "عرب لیگ بھی کوئی قابل ذکر کردار ادا نہ کر سکی۔ عرب اور غیر عرب ممالک میں اتحاد کی لہر بیسویں صدی کے نصف میں واضح طور پر دیکھی جا سکتی

ہے۔ پاکستان ۱۹۴۷ء میں بنا اور اس نے اتحاد بین المسلمین کے لئے کافی کردار ادا کیا بلکہ اس کے آئین کا ایک اصول (Principles Of Policy) تھا کہ مسلمان ممالک سے اتحاد قائم کیا جائے اور اتحاد بین المسلمین کی کاوش کی جائے۔ اتحاد عالم اسلام کے لئے ۱۹۶۹ء میں رباط میں پہلی کانفرنس ہوئی۔ اس میں پچیس مسلم ممالک نے حصہ لیا۔ ۲۱ جولائی ۱۹۶۹ء کو یہودیوں نے مسجد اقصیٰ کو آگ لگا دی۔ اس موقع پر رباط کانفرنس بلائی گئی جس میں اتحاد عالم اسلامی کا بیج بویا گیا۔ اس کے بعد ۱۹۷۰ء میں جدہ میں مسلم ممالک کے وزرائے خارجہ کی کانفرنس ہوئی اور ایک مستقل سیکرٹریٹ مقرر کرنے کا فیصلہ ہوا۔ وزرائے خارجہ کی دوسری کانفرنس ۱۹۷۰ء میں کراچی میں ہوئی جس میں فلسطینیوں کے مطالبات کی تائید کی گئی اور اسرائیل کی مذمت۔ فروری ۱۹۷۴ء میں لاہور میں مسلم سربراہوں کی دوسری کانفرنس ہوئی جس میں سینتیس ممالک کے سربراہوں نے شرکت کی۔ جولائی ۱۹۷۵ء میں جدہ میں مسلم وزرائے خارجہ کی کانفرنس ہوئی۔ جنوری ۱۹۸۱ء میں طائف میں تیسری سربراہی کانفرنس ہوئی جس میں القدس کی آزادی کا اعلان کیا گیا۔ افغانستان سے روسی فوجوں کو نکالنے کا مطالبہ کیا گیا۔ ترقیاتی سکیموں کے لئے تین ارب ڈالر کا فنڈ قائم کیا گیا نیز ایران عراق جنگ بند کرانے کی کوشش کی گئی۔ اگرچہ مسلمان ممالک کے مسائل حل تو نہیں ہو سکے تاہم مسلمان ممالک میں متحد ہونے کا احساس اجاگر ہو گیا ہے۔

دنیائے اسلام کے مسائل اور ان کا حل

دنیائے اسلام کے مسائل کا حل دولت مشترکہ ممالک اسلامیہ کا قیام ہے۔ بعض اہل نظر اس پر دو اعتراض کرتے ہیں۔

۱۔ اکثر مسلمان ممالک قومیت (Nationalism) کے جذبے میں گرفتار ہیں لہٰذا وہ دولت مشترکہ کے قائل نہیں ہیں

ضرورت رشتہ

سلسلہ عالیہ کے ساتھی عمر ۲۳ سال، تعلیم میٹرک، ذات مغل، ذاتی کاروبار (کارخانہ) ڈسکہ شہر میں۔ کے لئے سلسلہ سے مناسب رشتہ درکار ہے۔!

رابطہ کے لئے: چوہدری عبدالحمید بھنہ ایڈووکیٹ

کچہری ڈسکہ ضلع سیالکوٹ

۲۔ مسلمان معاشی، معاشرتی اور سیاسی لحاظ سے کافی کمزور ہیں۔

اس کا جواب یوں ہے کہ اگر کوشش کی جائے تو مسلم بلاک بن سکتا ہے۔ اگر قومیت آڑے آتی تو دنیا میں کم از کم پونے دو سو فوق القومیت تنظیمیں یا معاہدات (Supra- Nationalistic- Qrganisations) کیوں معرض وجود میں آتے۔ اقوام متحدہ (U N O) بھی تو ہے۔ یورپین پارلیمینٹ ہے۔ EEC اور ECM بن چکے ہیں۔ OAS بن چکا ہے۔ مزید عرض ہے کہ مسلمان کسی لحاظ سے کمزور نہیں ہیں۔ ان کے وسائل بے پناہ ہیں۔ صرف انہیں بروئے کار لانے کی ضرورت ہے۔ اتحاد بین المسلمین کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ تمام مسلمان ممالک معاشی، تمدنی، زرعی، صنعتی اور اقتصادی زندگی میں انقلاب لائیں۔ نوجوان طبقہ علم طبقات الارض اور علم معدنیات سیکھے۔ حب الوطنی پیدا کی جائے اور ہر ملک اپنے آپ کو مستحکم کرے۔

۲۔ دنیاوی امن و آشتی کے لئے مسلمان اپنا علیحدہ ایک گروپ بنائیں۔

۳۔ مسلمان ممالک علیحدہ مشترکہ منڈی (Common Market) بنائیں جس طرح یورپی ممالک نے بنائی ہوئی ہے تاکہ زرعی، معدنی، تجارتی اور صنعتی

بے بہا خزانہ

☆ توکل کے معنی یہ نہیں کہ حصول معاش کی کوشش یا تدبیر نہ کی جائے کیوں کہ یہ شریعت میں سراسر حرام ہے۔

☆ فقیر کو صدقہ دے کر احسان نہ جتلا بلکہ اس کے قبول کرنے کا خود احسان مند ہو

☆ جو کام نبیؐ کے حکم کے خلاف ہو، اگرچہ بشکل عبادت ہو گناہ ہے۔

☆ ایمان زبان سے اقرار کرنا، دل سے تصدیق کرنا اور اعضاء سے عمل کرنے کا نام ہے۔

☆ دنیا ایک مسافر خانہ ہے، مسافر کو ہر حالت میں کسی چیز اور جگہ سے دل بستگی نہیں ہونی چاہئے۔

☆ وہ دعوت سب سے بد تر ہے جس میں امیر بلائے جائیں اور مسکین محروم رکھے جائیں۔

☆ مجلس کے اندر بیٹھ کر قریب تر لوگوں کی مزاج پرسی کریں۔

☆ تنگدست قرضدار کو مہلت دینا رحمت الٰہی کو جوش میں لاتا ہے

☆ محتاجوں سے مہنگا مال خریدنا احسان ہے اور صدقہ سے بہتر ہے۔

ترقی ہو۔

۴- افرادی قوت (Manpower) کو آپس میں اچھی طرح استعمال کریں۔

۵- بین الاقوامی سیاست میں ایک حکمت عملی اختیار کریں۔

۶- باہمی ثقافت، تاریخ، ادب، فن، معاشی، سیاسی اور اقتصادی حالات کا براہ راست مطالعہ کریں تاکہ اتحاد عمل کی راہیں نکلیں نیز عربی کو فروغ دیا جائے تاکہ یہ ہم سب کو ایک دوسرے کے قریب لا سکے۔ اس ضمن میں ضروری ہے کہ وفود ایک دوسرے سے ملیں۔ حیات طیبہؐ کی تعلیم عام کی جائے تاکہ اخوت کا جذبہ پیدا ہو۔ ہر اسلامی ملک میں ایسے کتب خانے قائم کئے جائیں جہاں ایک دوسرے کے علم و ادب اور فن و ثقافت کا پتہ چلے۔

۷- اخبارات اور ابلاغ عامہ (Mass Media) مسلمانوں کا اپنا ہو۔ ایسی تصانیف کے تراجم مختلف اسلامی ممالک کی زبانوں میں کئے جائیں جو اتحاد بین المسلمین کی نشاندہی کرتی ہیں نیز اسلامی ممالک کے درمیان زیادہ سے زیادہ رسل و رسائل کے وسیلوں کو فروغ دیا جائے۔

۸- امن کی کوشش کی جائے۔ اسرائیل کے ناسور کو ختم کیا جائے۔ وسائل کو اکٹھا کر کے اسلحہ ساز فیکٹریاں قائم کی جائیں تاکہ مسلمان ممالک امریکہ اور روس کے بلاکوں سے بے نیاز ہو جائیں۔ دفاعی لحاظ سے اپنے آپ کو انتہائی مضبوط کیا جائے۔

۹- علاوہ ازیں تیل کی کمائی (Petro - Dollars) کو صرف عالمی اسلامی بینک میں رکھا جائے اور تکنیکی ترقی حاصل کی جائے۔ ضرورت بھاری صنعت (Heavy Technology) کی ہے تاکہ بڑی طاقتوں سے چھٹکارا حاصل ہو۔

George Lenczowski کے خیالات

Lenczowski اپنی کتاب "The Middle East In World Affairs" میں لکھتا ہے کہ مسلمان ممالک مختلف بلاکوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ان کے باہمی اختلافات انہیں ایک دوسرے سے دور لے جا رہے ہیں۔ ایران عراق جنگ اس ضمن میں قابل افسوس ہے۔ بڑی طاقتوں نے مسلمان ممالک کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔

بدعات اور حضرت جیؒ کا جہاد

مولانا محمد اکرم اعوان

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا کا وجود مذاہب سے خالی نہیں تھا اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ متعدد مذاہب موجود ہونے کے باوجود اللہ جل شانہ کی ذات سے اس کی صفات سے اس کی مرضیات سے کوئی انسان غافل نہیں تھا ادیان سابقہ میں تحریف ہو چکی تھی وہ بھی اپنے اصل سے ہٹ چکے تھے اور ادیان باطلہ تو ہوتے ہی اصل سے ہٹے ہوئے اور انسانوں کے بنائے ہوئے رسومات اور رواجات کا پلندہ ہیں اور یہ کتنی عجیب بات ہے کہ متعدد رسومات' متعدد رواجات مذہب کے نام پر موجود تھے حالانکہ مذہب کی غایت اصل معرفت باری ہوتی ہے اور مذہب ہی ان کاموں کو کرنے کا حکم دیتا ہے جو اللہ کی رضا کا سبب ہوتے ہیں اور ان کاموں سے بچنے کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو اللہ کے غضب کو دعوت دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود مذاہب باطلہ غضب الٰہی کو دعوت دینے کا سبب بنتے ہیں اور جو اس وقت دنیا میں بے شمار تھے اور صرف چھوٹے چھوٹے خطوں میں نہیں تھے بلکہ بڑی بڑی سلطنتیں جنہیں آج کی اصطلاح میں آپ سپرپاور کہتے ہیں۔ ان میں بھی رائج تھے۔

آج جس طرح دنیا میں ایک دو طاقتوں کو سپر پاور کہا جاتا ہے اس دور میں بھی ایران اور روما کی سلطنتیں سپر پاور کہلاتی تھیں اور دونوں مذہب حقا سے ناآشنا تھیں اور اس کے باوجود دونوں کا مذہب بھی تھا۔ اندریں حالات جب آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ کی بعثت کی غرض و غایت اللہ کریم نے یہ ارشاد فرمائی بلکہ اپنی معرفت کا سبب اسے قرار دیا۔

کہ اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے اور اس لئے بھیجا ہے **لیظھرہ علی الدین کلہ** کہ علمی میدان میں تحقیقی میدان میں عقائد و ایمانیات میں اعمال اور عملی میدان میں تمام ادیان باطلہ کو شکست دے دے **لیظھرہ علی الدین کلہ** تمام طرح کی رسومات رواجات اور ان باطل امور پر جنہیں لوگوں نے دین اور مذہب قرار دے دیا ہے ان پر غلبہ حاصل کرے اور اللہ کریم ہی اس بات کا گواہ ہے تب سے اب تک اللہ کریم کی سنت یہ رہی ہے کہ امت مرحومہ میں جب رسومات اور رواجات نے جڑ پکڑی اور مذہب کے نام پر ایسے امور وجود میں آئے جو مذہب نہیں ہیں اور جنہیں اصطلاح شریعت میں بدعت کہا گیا ہے تو خداوند کریم نے کسی نہ کسی عظیم انسان کو یہ خدمت سپرد فرمائی کہ وہ اپنی زندگی ان بدعات کو مٹانے میں اور سنت خیرالانام علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کو صاف و شفاف آئینے کی طرح نکھار کر سنوار کر پیش کرنے میں صرف کر دیں۔

پھر بدعات کے مدارج ہوتے ہیں۔ بدعت اصطلاح میں تو نیا کام کرنے کو کہا جاتا ہے جیسے قرآن کریم میں آتا ہے **ماکنت بدعا من الرسل** میں کوئی رسالت و نبوت کا نیا دعویٰ لے کر نہیں آیا بلکہ مجھ سے پہلے نبی اور رسول دنیا میں آئے ہیں کوئی نئی بات نہیں ہے بدعت ہر ایسا کام ہے جو نیا شروع کیا جائے۔

اور شرعاً" ہر اس کام کو بدعت کہہ دیتے ہیں جس کا

ہر وہ رسم ہر وہ رواج ہر وہ کام ہر وہ خیال جس کی اصل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے۔

وجو حضور صلی اللہ تعالے علیہ والہ وسلم کی سنت سے ثابت نہ ہو سنت سے مراد حضور صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کا حکم آپ کا قول آپ کا فعل اور کوئی ایسا کام جو کسی نے کیا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند فرما لیا ہو یہ سب سنت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے خلفاء کے ارشادات و اعمال کو بھی سنت قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حقیقتاً مقام فنا فی الرسول پر فائز تھے ان سے کسی ایسے کام کی توقع نہیں رکھی جا سکتی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے مزاج عالی کے خلاف ہو۔

تو اس طرح ہر وہ رسم ہر وہ رواج ہر وہ کام ہر وہ عقیدہ ہر وہ خیال جس کی اصل حضور اکرم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کی سنت سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے۔

اور ہمارے ہاں بدعات کی تقسیم جیسے بدعت حسنہ وغیرہ کی گئی ہے یہ درست نہیں ہے بدعت میں کبھی حسن نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض چیزیں شرعی بدعت نہیں ہوتیں لغوی طور پر اور اصطلاحی طور پر انہیں بدعت کہہ دیا جاتا ہے جیسے حدیث شریف کی کتابیں اور ان کے کورس۔ جدید طرز کے مدارس انہیں اس لئے لغت میں بدعت کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ چیزیں حضور اکرم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کے زمانے میں موجود نہیں تھیں اور نئی شروع کی گئیں لیکن کیا یہ خلاف سنت ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ احیائے سنت کے راستے اپنائے گئے تو یہ وہ بدعات ہیں جو لغواً" بدعت کہلائی جاتی ہیں حقیقتاً" سنت ہی کی تعبیریں تشریحیں ہیں۔

اور یہ بدعت جو شرعی نہیں ہیں کام بدعت شرعی کی زد میں آتا ہے اس میں کوئی حسن نہیں رہتا بدعت میں کبھی حسن نہیں ہوتا تو ان کی اصل تقسیم یہ ہے کہ بدعت لغوی اصطلاحی اور بدعت شرعی۔ بدعت لغوی جو ہے وہ مذموم نہیں ہے جیسے آج ہم لاؤڈ سپیکر میں بات کر رہے ہیں تو اہل لغت تو اسے بدعت کہہ دیں گے چونکہ حضور صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کے زمانے میں موجود نہیں تھا۔ لغت کے اعتبار سے تو یہ نیا کام ہے لیکن باعتبار سنت کے یہ بدعت نہیں ہے یہ ایک ایسی کوشش ہے کہ وہی آواز جو دس بیس آدمیوں تک پہنچ رہی ہے اسے دو ہزار پانچ ہزار دس ہزار تک پہنچایا جائے۔ تو اس طرح سے بدعات کے مدارج ہیں۔

یہ تو ایک بڑی مانی ہوئی حقیقت ہے کہ ہر بدعت نے کسی نہ کسی سنت کو ڈھا کر اپنی جگہ بنائی ہے جہاں بھی کوئی بدعت شرعی آتی ہے وہاں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال حسنہ میں سے آپ کی سنت میں سے کوئی نہ کوئی سنت گرا دی جاتی ہے تو اس پر وہ بدعت اپنی تعمیر کرتی ہے۔ لیکن بعض بدعات ایسی ہیں جنہوں نے عقائد اسلامی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور نہایت قوی درجہ کے کفر کو رواج دیا۔

بدعت اپنے تھوڑے سے درجے سے لے کر اس درجے تک پہنچتی ہے کہ اس کے ڈانڈے نہ صرف کفر سے ملتے ہیں بلکہ وہ کفر کو زندہ کرنے والی بن جاتی ہے اور اسلام کے انہدام کا اور اسلام کے مٹانے کا سبب بنتی ہے جب ایسی بدعات زور پکڑتی ہیں تو اللہ کریم اپنے کسی نہ کسی بندے کو ان کے مقابلے میں پیدا فرما دیتا ہے کیونکہ خداوند

عالم نے یہ وعدہ فرمایا کہ دین کو ہمیشہ قائم رکھوں گا اور دین کے قیام کا سبب دین داروں کا وجود ہے اگر دنیا میں دین کا ماننے والا دین کا پیروکار نہ رہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ دین کا بھی وجود نہ رہا۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ کسی عام درجے کے انسان سے خواہ وہ کتنا ہی فاضل ہو کتنا ہی پڑھا لکھا ہو۔ اللہ نے اس کی مخالفت کا کام نہیں لیا بلکہ اس کی مخالفت ہمیشہ بہت بڑی بڑی ہستیوں نے کی۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بدعت کے مقابلے میں ہمیشہ اللہ کریم نے ان لوگوں کو کھڑا کیا ہے جو علوم ظاہری کے ساتھ علوم الٰہیات و روحانیات اور علوم باطنی کے بھی بہت بڑے سمندر ہوا کرتے ہیں کیونکہ اس کامقابلہ صرف کتابوں اور دلائل سے ممکن نہیں ہے جب تک وہ کیفیات قلب میں موجود نہ ہوں۔ جو کفر کو مٹانے کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم فرمائیں اور جن کا مرکز حضورؐ کا قلب اطہر ہے نہ صرف علماء بلکہ اولیاء اللہ میں بھی جو لوگ اس طرف متوجہ ہوئے یا اللہ نے جن سے یہ خدمت لی وہ اپنے زمانے کے نہایت ہی جلیل القدر اشخاص اور بہت ہی مقربان الٰہی کی فہرست میں اپنا نام لکھنے والے لوگ تھے۔

حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی اپنے اندر گوناگوں پہلو رکھتی ہے بے شمار علمی، ادبی، دینی پہلو حضرت کی مبارک زندگی میں موجود ہیں لیکن سب غالب رنگ جو ہے وہ بدعات کے خلاف جہاد کا اور بالخصوص اس بہت بڑی قباحت کے خلاف اس شغف سے جہاد کا پہلو ملتا ہے کہ گویا آپ کے سامنے کوئی دوسرا کام تھا ہی نہیں۔

ملک جب تقسیم ہوا اور اللہ کریم کی مہربانی سے پاکستان جب وجود میں آیا تو جہاں اس کے رہنے والوں کو دنیاوی اعتبار سے آزادی نصیب ہوئی وہاں بہت بڑی مصیبت یہ پیش آئی کہ بہت سے علمی مدارس اور علمی درسگاہیں بھی تقسیم کے وقت ملک کے اس حصہ میں رہ گئیں جو پاکستان میں شامل نہیں ہوا۔ ہمارے اس متحدہ ہندوستان میں بہت بڑی بڑی درسگاہیں دو تھیں بریلی کا مدرسہ یا دیوبند۔ ہمارے وہ مدرسے بھی وہیں رہے دہلی بہت بڑا علمی مرکز تھا وہ بھی اسی طرح رہ گیا اور اس طرح سے پاکستان میں جو درسگاہیں تھیں وہ اس پائے کی نہیں تھیں جیسی ادھر رہ گئیں اسی طرح اس میدان میں بالخصوص بہت کم لوگ رہ گئے جن کا نام لیا جا سکتا ہے۔ اس زمانے میں گویا اس قباحت کے سامنے کوئی قابل ذکر روکاوٹ نہیں تھی۔

حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب بارگاہ نبویؐ سے مجھے حکم ہوا تو میں کمر باندھ کر اس کے مقابلے پر آ گیا حضرت نے ملک کے طول و عرض میں تن تنہا بسوں پر لاریوں پر گھوڑوں پر سوار ہو کر پیدل چل کے ان کا مقابلہ کیا اور بارہا بد بختیوں نے آپ پر قاتلانہ حملے کئے جھگڑے ہوئے مقدمے ہوئے پیشیاں ہوئیں جماعت کی یہ قوت جو اللہ نے اب عطا فرمائی ہے تب یہ نہیں تھی کہ کوئی قابل ذکر لوگ آپ کے ساتھ بحیثیت معتقدین کے یا طالبین کے یا ذاکرین کے نہیں تھے اس کے باوجود اللہ نے آپ کے وجود سے وہ کام لیا کہ تردید بدعت کے لئے پورے ملک کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک ایک فضا ہموار ہو گئی اور مزید لوگ اس کام میں در آئے اور پھر ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ پوری شدت اور پورے اہتمام کے ساتھ بدعت کے رد میں کام کرنا شروع کر دیا گیا۔

تو حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کے مناظرے ہمیں آریہ سماج کے خلاف ملتے ہیں سکھوں کے خلاف ملتے ہیں عیسائیوں کے خلاف ملتے ہیں یہودیوں کے خلاف ملتے ہیں اور ہر اس برائی کا مقابلہ حضرت نے کیا جو دین اسلام کے خلاف تھی لیکن بالخصوص جو مشن آپ کے ذمے تھا وہ تھا اس بہت بڑی بدعت کو لوگوں کے سامنے لانا اور اسے مٹانا اور احقاق حق کرنا۔

ایک دفعہ حضرت نوشہرہ میں تشریف رکھتے تھے قاری سمیع الحق صاحب سینیٹر بنے ہمیں ملنے کے لئے حاضر ہوئے یہ انکی حضرت کے ساتھ پہلی ملاقات تھی کچھ دیر آپ کی

مجلس میں رہے اور اجازت لے کر چلے گئے تو نوشہرہ کے کچھ احباب انہیں رخصت کرنے موڑ تک ان کے ساتھ گئے تو انہوں نے بتایا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ میرے ذہن میں ایک تصویر تھی جس طرح پیروں کے حالات ہیں۔ کہ پیر دعا کر دیتے ہیں شرینی نذرانہ لے لیتے ہیں اور حق و باطل میں مداخلت نہیں کرتے کہ کوئی کفر پر رہے یا اسلام پر پیروں کو اس سے غرض نہیں ہوتی وہ چاہتے ہیں کہ ہمارے پاس بیٹھنے والا ہر شخص ہم سے خوش ہو کر اٹھے تاکہ پھر بھی آئے لیکن میں نے اپنی زندگی میں ان کو پہلی دفعہ ایک ایسے پیر کی شکل میں دیکھا ہے جو صبح سے لے کر شام تک ہر باطل مکتب فکر کی تردید کرتا چلا جاتا ہے اور کبھی یہ خیال نہیں کرتا کہ اس سے لوگ مجھ سے خفا ہوں گے ناراض ہوں گے یا راضی ہوں گے۔

میں کل ان کے حالات پر ایک کتاب دیکھ رہا تھا اس میں انہوں نے ایک پیر صاحب کے حالات بھی دیئے ہیں۔ اس میں وہ لکھتے ہیں کہ دو ہندو لڑکے اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے اور ہندوؤں نے ساری کوششیں کر ڈالیں لیکن انہوں نے کہا نہیں ہم تو مسلمان ہوں گے تو بالآخر ہندو ایک پیر صاحب کے پاس گئے اور ان سے گزارش کی کہ آپ انہیں سمجھائیں تو پیر صاحب نے انہیں بلا کر جو بات سمجھائی وہ یہ تھی کہ بھائی دیکھو تم دونوں اللہ کو تو مانتے ہو "جی مانتے ہیں" یہ بھی جانتے ہو کہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے "جی یہ بھی جانتے ہیں" پھر اللہ ہی نے تمہیں ہندوؤں کے گھر پیدا کیا اور تمہارے لئے ہندو مذہب پسند فرمایا اگر تم ہندو مذہب کو چھوڑ کر مسلمان ہوتے ہو تو تم خدا کے مقابلے میں آ گئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ارادے سے توبہ کر لی۔ کہ خدا کے مقابلے میں آنے سے باز رہے۔ یہ حال ہے پیروں کا۔

اور لوگ اسے فضیلت سمجھتے ہیں بلکہ جن کی بہت بڑی علمی نشانی ہے بہت بڑی شہرت ہے بہت بڑے نیک بھی تھے اور ماننے بھی جاتے تھے ان کے حالات میں میں نے پڑھا ہے کہ آخری دو صفیں جنازے کی ہندوؤں اور سکھوں کی تھیں لوگوں نے اسے بطور فضیلت کے اور کرامت کے لکھا ہے۔ یہ اس بات پہ دلالت کرتی ہیں کہ ہندو بھی اگر آپ کی مجلس میں رہا تو ہندو کا ہندو ہی رہا آپ نے وہ تکلف نہیں فرمایا کہ آپ اسے ہندو مت کی برائیوں سے آگاہ کریں سکھ تھا تو سکھ ہی رہا عقیدت مند بھی رہا اور سکھ بھی رہا کتنی عجیب بات ہے اور کتنی دردناک تصویر بنتی ہے۔

حالانکہ مولوی اور پیر میں ایک فرق ہے مولوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد نقل کرنے والا بتانے اور پہنچانے والا ہوتا ہے اور پیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

مولوی اور پیر میں ایک فرق ہے مولوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد نقل کرنے والا بتانے اور پہنچانے والا ہوتا ہے اور پیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے ساتھ حضورؐ کی برکات کا پہنچانے والا ہوتا ہے۔ مولوی کے پاس ایک شعبہ خدمت ایک خزانہ ہوتا ہے جو حضورؐ کے ارشادات پہنچاتا ہے اور پیر حضورؐ کے ارشادات بھی اور آپؐ کی برکات اور کیفیات بھی تقسیم کرتا ہے۔

ارشادات کے ساتھ حضورؐ کی برکات کا پہنچانے والا ہوتا ہے۔
مولوی کے پاس ایک شعبہ خدمت ایک خزانہ ہوتا ہے جو حضورؐ کے ارشادات پہنچاتا ہے اور پیر حضورؐ کے ارشادات بھی اور آپؐ کی برکات اور کیفیات بھی تقسیم کرتا ہے اور آپؐ کی برکات کا اثر ہی یہ ہے کہ کفر اٹھ جائے اور ایمان آ جائے اور اگر کفر اٹھا اور ایمان نہ آیا تو گویا وہاں حضورؐ کی برکت نہیں پہنچی۔

لیکن جب آپ حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی پہ نگاہ کرتے ہیں تو یوں نظر آتا ہے کہ جو بھی آیا کم از کم اسے صحت عقیدہ ضرور نصیب ہو گئی کتنی عجیب بات ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی کس درجے کی برائی میں ملوث تھا بدعات کے مدارج ہیں جیسے میں نے عرض کیا ہے بعض ہلکی ہیں اور بعض کے ڈانڈے کفر سے ملتے ہیں بلکہ خود صریح کفر اور شرک ہی سے مرکب ہیں۔ تو ہم نے ہر طرح کے لوگوں کو دیکھا حضرت جی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا مزاج گرامی ایسا تھا کہ باوجود آپ کی عمر مذاہب باطلہ کے خلاف مناظرے کرتے گزری لیکن چھوٹے چھوٹے اختلاف میں آپ نہیں الجھا کرتے تھے یہ دیو بندی بریلوی کا اختلاف' بلند آواز سے درود شریف پڑھنا یا آہستہ آواز سے پڑھنا جنازے کے پیچھے دعا مانگنی ہے یا نہیں مانگنی ان باتوں کو کبھی آپ زبان پر نہیں لاتے تھے اگر آپ اسلام کو ایک جسم کہیں تو اس پر جو چرکے لگائے جاتے ہیں نا ہلکے ہلکے وہ ہلکی ہلکی خراشیں ہیں۔ تو یہ برکت تو آپ کے وجود میں اللہ نے رکھی تھی کہ جو آپ کے پاس بیٹھنا شروع کر دیتا تھا وہ چند ہی ملاقاتوں کے بعد ان باتوں سے بالاتر ہو جاتا تھا اور اللہ کریم اسے ان بدعات سے خلاصی عطا فرما دیا کرتے تھے۔

آپ کی محفل آپ حضرات میں سے جنہیں بھی نصیب ہوئی آپ نے سنا ہو گا کہ جب گفتگو ہوتی تھی تو ان بڑی بڑی رسومات اور ان بڑی بڑی بدعات پر ہوتی تھی جو بالکل اسلام کے خلاف ہیں اور جن کا نام اسلام ہے تو جہاں آپ نے ساری عمر مناظروں میں گزاری وہاں امت میں تشدد و افتراق پیدا نہیں فرمایا یہ کتنی عجیب بات ہے کہ مناظر تو لوگوں کو الجھانے بھڑانے اور لڑانے ہی کا کام کرتے ہیں لیکن آپ نے مناظرے کیے اور لوگوں کو متحد کیا اسلام پر حقانیت پر اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت پر اور چھوٹی چھوٹی لغزشیں جو تھیں اس پر آپ توجہ نہیں دیتے تھے۔ انہیں وجہ نزاع نہیں بناتے تھے۔

اس کی برکت یہ تھی کہ آپ کی محفل میں بیٹھنے سے یہ از خود لوگوں کے ذہنوں سے مٹ جاتی تھیں اور حضورؐ کی سنت کی نہ صرف طلب پیدا ہوتی تھی عشق پیدا ہو جاتا تھا اور لوگ بدعات سے کٹ کر کے سنت کو اپناتے تھے۔ جس کا نمونہ آپ کے سامنے اس جماعت کی صورت میں ہے اس گئے گزرے دور میں جب بھائی بھائی سے اور باپ بیٹے سے اور بیٹا والدین سے محبت کرنے سے عاری ہے کتنے نفوس

پاس انفاس

زندگی کے ہر سانس کی نگرانی

کہ کوئی اللہ کے نام کے بغیر نہ اندر جائے اور نہ باہر آئے۔ کیوں کہ تیری زندگی چند گنے ہوئے سانسوں کا نام ہے تو جب بھی ایک سانس گزرتا ہے تیری عمر کا ایک جز گھٹ جاتا ہے۔

دعائے مغفرت

ڈاکٹر نصیر احمد (فیصل آباد) کے چھوٹے بھائی وفات پا گئے' ان کے لئے ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

مسلمانوں کے ایک گروہ کا بغیر حساب و عذاب کے جنت میں داخل ہونے کا بیان ۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے ۔ ایک شخص بولا یا رسول اللہؐ ! اللہ سے دعا کیجئے خدا اُن لوگوں میں سے کر دے ۔ آپؐ نے فرمایا ۔ اے اللہ اسے اُن لوگوں میں سے کر دے پھر دوسرا اُٹھا اور بولا یا رسولؐ ! دعا کیجئے خدا مجھ کو بھی اُن لوگوں میں سے کر دے آپؐ نے فرمایا عکاشہؓ تجھ سے پہلے یہ کام کر چکا ۔

صحیح مسلم شریف

ہیں جن کے دل اللہ ' اللہ کے رسول اللہ کے بندوں کی محبت میں دھڑکتے ہیں پر خلوص محبت خالص اور نکھری ہوئی کہ یہ سب حضرت جی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے دن رات کی اور عمر بھر کی محنت کا اثر ہے۔

ہم جب پھل کھاتے ہیں تو ہم بہت کم یہ سوچتے ہیں کہ یہ درخت تو بیس پچیس برس بعد یا دس برس بعد پھل دینے والا ہے۔ کسی نے آج سے دس برس یا پندرہ برس پہلے محنت کی ہو گی اس کی تخم ریزی کی ہو گی اس کی آبیاری کی ہو گی حفاظت کی ہو گی گوڈی کی ہو گی تب جا کر اطمینان سے ہم اس سے پھل لے لینے کے قابل ہوتے ہیں تو اس طرح جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی طلب خالص اور کھری محبت دلوں میں نظر آتی ہے اس پر تقریباً" ایک صدی' اسی (۸۰) برس سے اوپر حضرت جی رحمتہ اللہ تعالیٰ کی عمر عزیز صرف ہوئی۔

اور اللہ کریم نے آپ کی ذات سے وہ کام لیا کہ اس ظلمت کے خلاف آج ہر گھر سے آواز اٹھتی ہوئی محسوس ہوتی ہے جس کے خلاف تقسیم ملک کے وقت کوئی آواز دینے والا نہیں رہا تھا اللہ کریم نے یہ کام آپ کے وجود مبارک سے لیا اور ایک منظم مکتب فکر ایسا پیدا فرما دیا آپ کی محنت اور کوشش کے ثمرہ میں جس کا مقصد وحید حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنا ہے اور بدعات کو مٹانے کا حکم لے کر میدان میں اترنا ہے۔

خداوند کریم جن لوگوں کو بڑے کاموں کے لئے چن لیتا ہے ان کی زندگی متعدد پہلوؤں پر ایک مقام اور ایک حیثیت رکھتی ہے اس لئے اس محدود وقت میں ان جملہ محاسن اور برکات کا ذکر کر لینا ممکن نہیں ہے تو آج کے اسی تھوڑے سے وقت میں یہی عرض کروں گا کہ اللہ کریم نے حضرت جی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے وجود سے جو بہت بڑا اہم کام لیا وہ یہ تھا کہ بہت بڑی بدعت کے خلاف جہاد اور گئے گزرے لوگوں کو رسومات اور بدعات میں دھنسے ہوئے لوگوں کو جدید دور کے قحبہ خانوں سے نکال کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس اور آپؐ کی حضوری کا طالب بنا دیا یہ مشن تھا حضرت جی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی کا اور زندگی کے آخری دموں تک پوری ہمت پورے عزم کے ساتھ آپ اس پر قائم رہے اس میں آپ کے دنیاوی نقصانات ہوئے مالی نقصانات ہوئے جسمانی تکالیف اٹھانا پڑیں لوگ ناراض ہوئے زمانہ بگڑا بڑی بڑی روکاوٹیں آئیں لیکن کبھی اور کسی لمحے آپ کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہیں ہوئی یہ اللہ کا احسان تھا اور یہ بھی اللہ کریم کا ہی احسان ہے کہ آج بھی آپ کا لگایا ہوا یہ پودا اور آپ کی بتائی ہوئی یہ درس گاہ آپ کا ترتیب دیا ہوا یہ نظام اپنی پوری ہمت کے ساتھ ہر باطل سے ٹکراتا ہے خصوصاً" اس بدعت عظیم کے خلاف اللہ تعالیٰ کی عطا سے آج بھی بہت کام ہو رہا ہے اور اللہ کرے یہ جماعت یہ احباب یہ دلوں کی گرمی اور یہ سینوں کی روشنی ابدالآباد قائم رہے اور اپنے اسی مشن کو قائم رکھے۔

جہاد کشمیر

مولانا محمد اکرم اعوان

اب تو جو لوگ جہاد کر رہے ہیں وہ بھی اس کا اوراک کر رہے ہیں جہاں تک ممکن ہوسکا جہاد افغانستان میں بھی ساتھیوں نے قربانیاں دیں اور نہایت اہم کام کئے بلکہ جو چیزیں انہیں سمجھ نہیں آتی تھیں ان کی ٹریننگ کے لئے ہم نے اچھے اچھے آفیسرز ان کو دیئے جہاد کشمیر کے تنظیمی امور میں ہمارے آفیسرز اب بھی کام کر رہے ہیں لیکن بنیادی طور پر ہماری اپنی رائے یہ ہے کہ یہ جو کچھ کر رہے ہیں یہ زیادتی کر رہے ہیں اپنے ساتھ بھی کشمیریوں کے ساتھ بھی اور اسلام کے ساتھ بھی۔ اس لئے کہ تنے کو دیمک لگی ہوئی ہو اور آپ شاخوں پر سپرے کرتے رہیں تو جب تنا ہی نہ رہے گا تو شاخیں کہاں رہیں گی۔ اصل ضرورت جہاد کی ہے وطن عزیز میں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ موجودہ حکومت کے ہوتے ہوئے کوئی مجاہد تنظیم کشمیر میں کامیاب نہیں ہوسکتی اتنا نقصان انہیں ہندوستان نہیں پہنچاتا جتنا پاکستانی گورنمنٹ پہنچاتی ہے کام نہیں کرنے دیتی وسائل نہیں دیتی تو کامیابی کا کوئی امکان میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر اللہ کرے کامیاب ہو جائیں تو اس کا مطلب ہے کہ اس پاکستان کا حصہ بنے گا اور جو انصاف یہاں ہو رہا ہے؟ بھئی کشمیر کی خبریں تو میں روز سنتا ہوں کہ آٹھ بندے مارے گئے سات بندے مارے گئے پانچ بندے مارے گئے گرمیاں تو آٹھ دس سات کا کوئی حساب ہی نہیں آپ کراچی کا حساب کریں لاہور کا کریں لاہور کل دس بندے قتل ہوگئے پچیس زخمی ہوگئے اور وہ کوئی پتہ نہیں کون تھے کون نہیں تھے، کوئی میلاد النبیؐ کی لائیٹس لگا رہے تھے، کوئی جھنڈے لگا رہے تھے، کوئی راستے سے گذر رہے تھے، کوئی ایک تماشہ ہو رہا تھا بندر کا موٹر سائیکل کا۔ کوئی وہ دیکھ رہے تھے تو کسی نے برسٹ مارے گولیاں چلائیں دس بندے موقع پر مرگئے پچیس زخمی ہوئے تو کشمیر کی تو کبھی ہم نے یہ خبر نہیں سنی کہ دس موقع پر مرگئے پچیس زخمی ہوئے۔ تو اگر یہ ساری تنظیموں نے اسے فتح کر کے حکومت کے حوالے کرنا ہے تو میرے خیال میں ہندو کم ظلم کر رہے ہیں اس لئے ہم جو محنت کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ جب تک اس بنیادی ملک پر اسلام نافذ نہیں ہوتا تب تک نہ یہ اسلامی نظام کی تنظیمیں باہر کامیاب ہوتی ہیں ان کے کامیاب ہونے کے امکانات کوئی نہیں اگر ہو جائیں تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہی حشر افغانستان میں ہوا اگر یہ ملک یہ وطن عزیز اور اس کی حکومت بد دیانتی نہ کرتی تو ساری دنیا زور لگاتی رہتی وہاں کوئی نہیں روک سکتا تھا اسلامی ریاست بن جاتی۔ اس ایک سوال پر ضیاالحق مرحوم کو شہید کیا گیا کہ وہاں ڈیموکریٹک گورنمنٹ ہونی چاہئے اور وہ اس اس پہ بضد تھا کہ اسلامی بلاک ہونا چاہئے اسلامی حکومت ہونی چاہئے بلکہ اس کی کوشش یہ تھی کہ اگر افغانستان

میں اسلامی حکومت بن جائے تو پاکستان کو شامل کر کے اسلامی بلاک بنا دیا جائے یہ ایک اسلامی ریاست ہو۔

ببرک کارمل کو ضیاء الحق نے میسج (MESSAGE) بھیجا تھا کہ تھوڑا کم عرصہ رہا کارمل زیادہ عرصہ رہا میں اس کا گواہ ہوں یہ آف دی ریکارڈ باتیں ہوتی ہیں ضیا الحق نے ببرک کارمل کو (MESSAGE) بھیجا تھا کہ تمہارا اپنا ملک تباہ ہو رہا ہے اور تمہارے اپنے لوگ شہید ہو رہے ہیں اور تباہی مچی ہوئی ہے اور تم اس حکومت پہ کیوں بضد ہو تم کیوں روس کی حمایت سے لوگوں کی گردن پہ سوار ہو تم آزاد تنظیموں کے ساتھ مل کر اسلامی ریاست بناؤ روس کو فارغ کر دو اور یہ جھگڑا ختم ہو جائے لوگوں کا قتل عام بند ہو جائے تو اس نے جواب میں کہا تھا کہ آپ خود تو حکومت سے چمٹے ہوئے ہو اور مجھے حکومت چھوڑنے کا مشورہ دیتے ہو تو ضیا الحق نے کہا تھا کہ تم اگر اسلامی ریاست بنانے کا اعلان کر دو تو میں افغانستان اور پاکستان کا الحاق کرا کے ایک ریاست بنا کے مستعفی ہو جاتا ہوں میں ایک لمحہ بھی حکومت میں یا اقتدار میں نہیں رہوں گا میرا مقصد ایک اسلامی ریاست بنانا ہے تو آؤ مل کر بنائیں اور کسی ایسی ہستی کو اس کا سربراہ بنا دیں جو ان دونوں ملکوں کو ایک ملک بنا کر ایک اسلامی ریاست بنا دے تم بھی چھوڑ دو میں بھی چھوڑ دیتا ہوں یہ وجہ تھی جس پر ضیا الحق کو شہید کرایا گیا۔

تو ہمارا بنیادی نقطہ نظر یہ ہے کہ اس ملک میں اسلام نافذ کیا جائے اور نفاذ اسلام کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ ایک ایک فرد کو عملاً" اسلام اپنانے پہ آمادہ کیا جائے وہ جو طاقت بنے گی وہ جو فورس بنے گی وہ ملک میں اسلام نافذ کر سکے گی جس پہ ہم لگے ہوئے ہیں اب یہ اللہ کی مرضی کے اس میں کتنی پیش رفت ہو رہی ہے یا کتنے لوگوں کو احساس ہو رہا ہے اس بات کے آپ بھی گواہ ہیں کہ رات دن آپ کے ساتھ بھی یہی بات ہوتی ہے کہ آپ ایک ایک شخص اپنائیں گے تو یہ کام ہو گا چونکہ قومیں افراد ہی سے مل کر بنتی ہیں۔

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

ایک ایک فرد کی اصلاح ضروری ہے اور انقلابات ہمیشہ ایک مختصر سی جمعیت لایا کرتی ہے جو منظم ہوتی ہے ہم اس کے لئے محنت کر رہے ہیں۔جہاں تک تعلق ہے جہاد ہو رہے ہیں۔مسلمانوں کی ضرورت ہے تو اس میں جو اخلاقی یا جو اس میں جانی یا جو مالی مدد ہو سکتی ہے اس کے لئے ہمیں کسی اعلان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہم اپنے طور پر کرتے رہتے ہیں تنظیموں سے رابطہ بھی رہتا ہے ان کا آنا جانا بھی رہتا ہے وہ چلتا رہتا ہے لیکن (AS A WHOLE) کہ پوری جماعت ہم اس میں ملوث کر دیں اس کے حق میں نہیں ہیں کچھ اختلافات بھی رہتے ہیں تنظیموں کے ساتھ کہ لوگوں کے بچے کالج پڑھنے آئے آپ نے پکڑ کر جہاد پر بھیج دیئے کچھ اس طرح کی باتیں جو ہیں ان میں ہمارے اختلافات بھی رہتے ہیں یہ صحیح طریقہ نہیں ہے والدین کہیں رو رہے ہیں وہ کالج کی فیس بھر چکے پیسے دے چکے بچہ ویسے کالج سے بھاگنا چاہتا تھا آپ نے اسے وہاں بھیج دیا تو اس طرح کی کچھ باتیں یہ کوئی جہاد نہیں بنتے ان چیزوں کو میں پسند نہیں کرتا ان لوگوں کو جانا چاہئے جو واقعی جہاد کے لئے ان کی عمر ہو ان کا (EXPERIENCE) ہو انہیں تجربہ کرایا جائے یا انہیں تربیت دی جائے ایک باقاعدہ منظم کام ہو اور وہ تب ہو کہ آپ جس زمین پر کھڑے ہیں یہ تو مضبوط ہو آپ کیچڑ میں کھڑے ہو کر دوسری زمین کو کیسے مضبوط کر رہے ہیں تو بہرحال وہ کام بھی چل رہا ہے یہ بھی چل رہا ہے اب اللہ کرے اب ان تنظیموں کو جو وہاں کام کر رہی ہیں ان کو اب یہ احساس ہو چلا ہے پچھلے دنوں بھی ان کا وفد یہاں آیا تھا کہ اب واقعی آپ کی بات درست ہے ہمیں سمجھ آ رہی ہے کہ ہمیں نقصان وہاں سے نہیں ہماری کمزوری یہاں سے ہندو اتنا مقابلہ نہیں کر سکتا جتنا نقصان ہمیں یہاں سے ہو جاتا ہے۔

صلۂ عبادت

مولانا محمد اکرم اعوان

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ صبغتہ اللہ ومن احسن من اللہ صبغتہ ونحن لہ عبدون ۔حضور اکرمؐ کی بعثت کے وقت مذہبی اجارہ داری جو تھی وہ یہود اور بالخصوص نصرانی علماء کے پاس تھی۔ اگرچہ انہوں نے اپنے مذاہب میں کوئی مذہبی جان باقی نہیں چھوڑی تھی اور کتب سماوی کو بدل دیا تھا دین کے عقائد جو دین کی اصل اور روح ہوتے ہیں اور اعمال کو بدل دیا تھا ان کو اصلی حالت پر نہیں رہنے دیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ مذہب کے نام پر ایک بہت بڑے تقدس کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے۔ تو ان میں کچھ رسومات ایسی تھیں جیسے نصاریٰ ہر پیداہونے والے بچے کو ایک رنگ لگایا کرتے تھے اب بھی کرتے ہیں ایک رنگین پانی میں غوطہ دیتے ہیں اس سے ان کی مراد ہوتی ہے کہ اس پر مذہب کا عیسائیت کا رنگ چڑھ گیا ہے۔

تو اس کے جواب میں حضور اکرمؐ نے فرمایا **صبغتہ اللہ** کہ تم سرخ وسفید یا زرد یا کسی طرح کا رنگ جو ہے اسے حل کر کے اس میں ڈبو لیتے ہو اس سے کیا بگڑتا یا سنورتا ہے ہم تو آدمی پر اللہ کا رنگ چڑھاتے ہیں **ومن احسن من اللہ صبغتہ** اور اللہ کے رنگ سے اور کونسارنگ اچھا ہوگا۔ تو آگے اس کی تشریح فرمادی ہے کہ اللہ کا رنگ ہے کیا۔ **ونحن لہ عبدون** ہم تواللہ جل شانہ کی عبادت کرتے ہیں کئی بار پہلے عرض کر چکا ہوں کہ تمام ادیان باطلہ میں ایک بات پائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ ان کی سب عبادات کا ما حاصل دنیا ہے کافر کا دین بھی دنیا ہوتا ہے یعنی آپ اگر ادیان باطلہ کو دیکھیں تو آپ یہ بات محسوس کریں گے کہ ہر عبادت کے ساتھ کوئی نہ کوئی دنیوی منافع جوڑ دیا گیا ہے ہر رسم کے ساتھ کوئی نہ کوئی دنیوی مفاد جوڑ دیا گیا ہے اور ان دنیوی فائدوں کو حاصل کرنے کے لئے کفار محنتیں بھی کرتے ہیں مجاہدے بھی کرتے ہیں عبادت کے نام پر رسومات بھی انجام دیتے ہیں۔

لیکن اسلام نے نفع اور نقصان سے بالاتر ہو کر عبادت محض اللہ کی رضا کے لئے قرار دی ہے اور عبادات نام ہے ہر اس اطاعت کا جو نفع حاصل کرنے کے لئے یا نقصان سے بچنے کے لئے کی جائے کہ اپنے سے کسی نقصان کو دور رکھنا یا اپنے لئے نفع حاصل کرنا تو تمام نفع اسلام نے اللہ کی رضا میں قرار دیا ہے اللہ کریم جس پر راضی بس اسے سراسر نفع ہی نفع ہے اور جس سے اللہ کریم ناراض ہو جائیں اسے کوئی نفع نہیں نرا نقصان ہے۔

تو جو رنگ نبی رحمت نے اسلام کا عطا فرمایا وہ یہ تھا کہ ہماری زندگی' ہماری سوچ اور اس کے بعد ہمارا کردار اور ہماری خواہشات اس ایک مقام پر آکر ٹھہر جائیں کہ ہم سے ہمارا پیدا کرنے والا رب کریم راضی ہو اور ہم اسکی ناراضگی اسی کی پناہ چاہتے اور اس سے اپنے آپ کو بچانا چاہتے ہیں۔ اور اگر اس رنگ کو اس حال میں دیکھا جائے تو نتیجہ یہ ہو گا کہ ہماری زندگی پر جوں جوں اسلام کا رنگ غالب ہو گا عملی زندگی جو ہے وہ نیکی اور اچھائی کی طرف بڑھتی چلی جائے گی ہر شخص کا معیار اپنا ہوتا ہے سب لوگ ایک جیسے نہیں ہو سکتے لیکن ایک بات سب میں پائی جاسکتی ہے نیکی اور اتباع سنت کی تڑپ پیدا ہو جائے اور کم از کم اسلام کا رنگ سب سے تھوڑا بھی اگر چڑھے تو یہ ہے کہ اگر سنت پر عمل نہ کر سکے تو جہاں سے سنت خیرالانام چھوٹ جائے وہاں اسے دکھ ضرور لگے اور اس کی تمنا یہ ضرور ہو کہ کاش میرا عمل حضورؐ کے حکم کے مطابق ہوتا۔ میں آپ کی سنت کے خلاف نہ کرتا۔

خدانخواستہ اگر یہ بات بھی چلی جائے اور آدمی بلاخوف بے دھڑک پوری زندگی کو بے مہار اور بغیر کسی ترتیب و ضابطہ کے محض اپنی خواہشات نفس کے لئے یا محض اپنی وقتی اور لمحاتی لذات کے لئے اور محض دنیوی منافع کے لئے بسر کرتا چلا جائے تو اس میں یہ ثابت کرنا کہ اس پر اسلام کا رنگ ہے مشکل ہو جائے گا چوں کہ حضورؐ نے جو ارشاد فرمایا اور جس ارشاد کو قرآن حکیم نے نقل فرمایا ہے۔

وہ یہ کہ یہ ظاہری رنگ پانی میں حل کر کے بدن پر پھیر دینا یا کپڑا رنگ دینا یہ کوئی رنگ نہیں ہے انسان کے لئے نہیں ہے یہ۔ فرمایا ہم پر تو اللہ کا رنگ اور اللہ کا رنگ جو ہے وہ ہرا پیلا نیلا نہیں ہوتا بلکہ اس میں ہوتا یہ ہے کہ انسان اپنی حیثیت کے مطابق اس کی تجلیات میں فنا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور جوں جوں اسے قرب نصیب ہوتا ہے جوں جوں اس کے دل پر اللہ کی تجلیات وارد ہوتی ہیں توں توں ذوق طلب بڑھتا ہے اتنی ہی اس کی پیاس بڑھتی ہے اتنے ہی اس کے قدم تیز ہو جاتے ہیں اتنی ہی اس کی سمت درست ہوتی چلی جاتی ہے۔

تو اس طرح سے ہمیں اپنی عملی زندگی کا جائزہ لینا ہوگا۔ کہ یہ جدوجہد یہ ہمارا سفر یہ ہمارے مراقبات یہ ہمارے لطائف یہ مجاہدے یہ محنتیں یہ ذکر اذکار یہ سب کچھ ہمارے عقائدو نظریات سے لے کر عمل تک اس سب کو مثبت طرف اور حضورؐ کی اطاعت کی طرف اور اللہ کے قرب کی طرف اگر لے جا رہے ہیں تو ایک رائی برابر فرق بھی اگر نیکی کی طرف بڑھ رہا ہے تو بہرحال یہ خیر ہے۔ لیکن اگر اس سب کے باوجود ہماری عملی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آرہی تو یہ بات یاد رہے کہ انسان کا مزاج رب کریم نے ایسا بنایا ہے کہ اس کے مزاج میں کوئی مقام ایسا نہیں جہاں یہ ٹھہر جائے یا نیکی کی طرف بڑھتا رہتا ہے اور یا برائی کی طرف گرتا رہتا ہے۔

لقد خلقنا الا نسا ن فی ا حسن تقویم یا تو یہ اپنے حسن کی طرف اور حسن تخلیق کی طرف قدم بڑھاتا رہتا ہے اور اگر یہ سفر اس کا رک جائے **ثم رددنٰہُ ا سفل سا فلینَ** پھر یہ ذلت کی گہرائیوں میں گرنا شروع ہو جاتا ہے۔

یعنی وقف اور توقف نہیں ہے کوئی ایسا معلوم نہیں ہے کہ ایک جگہ پر کوئی آدمی رک جائے تو اگر اچھائی کی طرف قدم نہ بڑھ رہا ہو اگر اعمال میں حسن صلاحیت اور نیکی نہ پیدا ہو رہی ہو اگر کردار کی تعمیر نہ ہو رہی ہو اگر خواہشات اور آرزوں کا صحیح رخ متعین نہ ہو رہا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ پھر ہم میں برائی پنپ رہی ہے اور راہرو کے لئے اس راہ کا نقصان یہی ہوتا ہے نقصان دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو یہ ہوتا ہے کہ وہ پیچھے کی طرف چل دے اور اگر پیچھے نہ بھی چلے چند

لمحے کسی ایک جگہ رک بھی جائے تو آگے نہ بڑھنا جو ہے یا اگر بڑھنے سے رک جانا جو ہے یہ بھی کم نقصان تو نہیں ہے۔ یہ بھی تو نقصان ہے اس لئے محققین حضرات فرماتے ہیں کہ انسان کے لئے توقف نہیں ہے یا یہ اچھائی کی طرف بڑھتا رہتا ہے یا یہ نقصان میں گرتا ہے اور دھنستا چلا جاتا ہے۔

تو یہ معیار دیا ہے اللہ کی کتاب نے حضورؐ نے کہ مسلمان جو ہے اس پر اللہ کا رنگ ہے اور اللہ کا رنگ یہ ہے کہ ہر کام کے کرنے میں خدا کی رضا اور اس کی خوشنودی مقدم ہے۔ کمانے میں، کھانے میں، خرچ کرنے میں، تعلقات میں، دوستی و دشمنی میں اور اپنی عملی زندگی تو انسان ایک ہی جیسی گزارتے ہیں اس میں اللہ جل شانہ کی رضامندی جو ہے وہ مقدم ہونی چاہئے زندگی تو انسان ایک ہی جیسی گزارتے ہیں ہر کوئی دنیا میں بڑا ہو کر محنت و مزدوری کرتا ہے کاروبار کرتا ہے کماتا ہے بچے ہوتے ہیں اولاد ہوتی ہے گھر بناتا ہے اور پھر سب کچھ ان کے سپرد کر کے دنیا سے چلا جاتا ہے اس میں مومن اور کافر کے جینے میں کوئی فرق نہیں لیکن اگر فرق ہے تو صرف یہ کہ کافر اپنی پسند سے جیتا ہے اور مومن دنیا کو اللہ کی ملکیت تصور کر کے اس میں اللہ کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے کافر اپنی پسند سے کماتا ہے جہاں سے مل جائے مومن کمانے کے لئے اللہ کی اجازت کا منتظر رہتا ہے یہ اللہ کے حکم کا انتظار کرتا ہے اس کو صبغۃ اللہ کہا گیا ہے کھانے پینے میں کافر آزاد ہے جو جی میں آئے کھا لیا اور مومن کھانے پینے میں اللہ کے حکم اور اللہ کے پیغمبرؐ کے حکم کا انتظار کرتا ہے۔ اس طرح زندگی کے دوسرے امور میں کافر اور مومن میں اگر کوئی فرق ہے تو وہ یہ ہے اور یہ بہت بڑا فرق ہے کہ کافر جیسا اس کا نفس چاہے جیسے اس کے جی میں آئے اس طرح جیتا ہے اس لئے اللہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اپنے نفس کی پوجا کرتے ہیں **افرأیت من اتخذ الھہ ھوا** آپ

> (۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ سرور کائناتؐ نے فرمایا جو شخص بوقت شب سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں تلاوت کرے وہ اس کے لئے کافی ہو جائیں گی۔
> (بخاری و مسلم)

نے اے حبیبؐ ان لوگوں کو دیکھا جنھوں نے اپنی خواہش نفس کو معبود بنا کر رکھا ہے یہ اس کے تابع ہیں اس کی اطاعت کرتے ہیں تو گویا اس کی عبادت کرتے ہیں لیکن مومن اللہ کی اطاعت کرتا ہے اور اسی اطاعت کا نام عبادت ہے محض اٹھنے بیٹھنے کا نام عبادت نہیں ہے۔

اگر کوئی اللہ کے حکم کو نہ مانے تو بعینہ اسی طرح نمازیں پڑھے روزے رکھے تو یہ اس کی پسند کا کام ہے وہ اللہ کی عبادت نہیں ہوگی۔ اسے اللہ کی عبادت قرار دینے کے لئے اللہ کی ذات پر اور اس کی صفات پر اور اس کے رسولؐ پر کتاب پر آخرت پر ایمان مقدم ہے اللہ کو مان کر اللہ کو جان کر اس کی عظمت سے اپنی حیثیت کے مطابق آشنا ہو کر اس کی اطاعت میں رکوع و سجود کرے گا تب یہ عبادت ہوگی۔ اسی طرح زندگی کا ہر کام، یا عبادت ہے یا عبادت سے خالی۔

تو ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہئے ہر لمحے ہر آن ہر روز کہ آج کا دن کیا اللہ کی عطا سے کل کے دن سے بہتر بسر ہوا اور اس میں واضح فرق ہونا چاہئے چوں کہ قرب الٰہی کی کوئی حد اور کوئی انتہا نہیں ہر لمحہ انسان کو اس کی طرف بڑھتے رہنا چاہئے کہ جیسے ارشاد ہوتا ہے **ففروا الی اللہ** اللہ کی طرف دوڑو پوری قوت کے ساتھ۔ اور پورے زور کے ساتھ اللہ کی اطاعت کرو اور اس کی طرف دوڑو۔ تمہارے پاس وقت کم ہے اور یہ فاصلے لا **منتھا** ہیں نہ ختم ہونے والے بہت اعلیٰ مدارج بہت عظمتیں اور بہت سی رحمتیں تمہارا راہ تک رہی ہیں شرط یہ ہے کہ تم اپنی قوتیں ان کو پانے کے لئے صرف کر دو۔

صفہ گرلز کالج

میں

داخلہ برائے فرسٹ ایئر جاری ہے

بین الاقوامی معیار کی عمارت، کشادہ لیکچر رومز، وسیع مرکزی ہال، کھیل کے میدان، اعلیٰ تعلیمیافتہ سٹاف، جدید سازو سامان سے آراستہ فزکس، کیمسٹری بیالوجی، لیبارٹریز۔ باہر سے آنے والی طالبات کی سہولت کے لیے کالج کیمپس ہی میں ہوسٹل کی وسیع عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ جس میں کشادہ ڈائننگ ہال خوبصورت کمرے۔ ماڈرن کچن کی سہولت دی گئی ہیں۔

پتہ۔ اویسیہ ہاؤسنگ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور ☎ 5180998

MONTHLY

AL-MURSHED

CPL # 3

اسرار التنزیل

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان کی دلکش
تحریریں قرآن کریم کی ایک منفرد انداز تفسیر۔ کہ قرآن
کریم کو سمجھنا نہ صرف آسان بلکہ دلچسپ بنا دیا ہے
پڑھ کر خود ہی افادیت کا اندازہ لگائیے۔ اب تک
نو (٦) جلدیں چھپ چکی ہیں۔ آرٹ پیپر پر مجلد
اور آفسٹ پیپر پر عام مجلد دستیاب ہیں

اویسیہ کتب خانہ
اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ
ٹاؤن شپ لاہور

AWAISIA SOCIETY, COLLEGEROAD
TOWNSHIP LAHORE. PH: 5180467